اصطلاحاتِ اصولِ تفسیر

تالیف

افتخار احمد قاسمی بستوی

ناشر

مکتبہ ابو عبد الفتاح، محلّہ مومن پورہ، خلیل آباد، سنت کبیر نگر (یوپی)

نام کتاب	:	اصطلاحاتِ اصولِ تفسیر
مرتب	:	افتخار احمد قاسمی بستوی
تعداد صفحات	:	۱۴۴
سن طباعت	:	۱۴۳۴ھ مطابق ۲۰۱۳ء
کتابت کمپیوٹر	:	محمد مہر علی قاسمی (دھنباد، جھارکھنڈ) جامعہ اکل کوا
تعداد اشاعت	:	۱۱۰۰
قیمت	:	

☆ ملنے کے پتے ☆

☆ مکتبہ ابوالفتاح، جامعہ اسلامیہ اشاعت العلوم، اکل کوا، نندوربار، مہاراشٹر

موبائل نمبر: 9423153062

☆ فرید بک ڈپو، دہلی

☆ مکتبہ نعیمیہ دیوبند، یوپی

☆ مکتبہ مدنیہ دیوبند، یوپی

☆ دارالکتاب دیوبند

دار العلوم الاسلامیہ بستی

☆

دار العلوم دیو بند

اور

جامعہ اسلامیہ اشاعت العلوم

اکل کوا کے نام

مقدمہ

پانچ ابواب:

- پہلا باب : علومِ خمسہ کا بیان
- دوسرا باب : نظمِ قرآن
- تیسرا باب : اسلوبِ قرآن
- چوتھا باب : مناہجِ تفسیر
- پانچواں باب : غرائبِ قرآن

خاتمہ

فہرست مضامین

دعائیہ کلمات

خادم کتاب وسنت ومعمار مساجد

حضرت مولانا غلام محمد وستانوی صاحب حفظہ اللہ ورعاہ

رئیس جامعہ اسلامیہ اشاعت العلوم اکل کوا و رکن شوریٰ دار العلوم دیوبند

الحمد لله رب العالمين ، و العاقبة للمتقين ، و الصلوٰة و السلام على النبي الصادق الأمين، و على آله وصحبه الطيبين الطاهرين و من تبعهم باحسان إلى يوم الدين. اما بعد!

اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب قرآن کریم ساری انسانیت کے لئے پیغام امن و سلامتی اور منبع رشد وہدایت ہے،اس کی تعلیم وتبلیغ ،اس کی تشریح وتلاوت ،اس کی تاویل و تفسیر اوراس کے اصول وضوابط کی تنقیح وتشکیل ،سب عبادت میں داخل ہے۔

حال ہی میں ہمارے جامعہ کے ایک مؤقر استاذ مولانا افتخار احمد قاسمی بستوی نے اصول تفسیر پر اردو زبان میں ''الفوز الکبیر فی اصول التفسیر'' کے طرز پر ایک گراں قدر کام کیا ہے، جو طالبانِ علوم نبوت کے لیے ایک تحفۂ بے بہا اور نعمت غیر مترقبہ ہے۔

مولانا افتخار احمد بستوی ہمارے جامعہ میں ۱۹۹۶ء سے تا حال تدریسی خدمات میں پوری مواظبت ومداومت کے ساتھ مصروف عمل ہیں، انگریزی کی تدریس کے ساتھ درس نظامی کی مستند کتابیں نور الانوار، مقامات حریری، اصول الشاشی، کافیہ، شرح نخبۃ الفکر، سراجی اور الفوز الکبیر وغیرہ زیر درس رہی ہیں۔ الفوز الکبیر کی تدریس کے دوران حاصل شدہ تقریباً چھ سالہ تجرباتی علوم کو انہوں نے اردو کا جامہ پہنا کر ''اصطلاحات اصول تفسیر'' کے نام سے طالبانِ علومِ نبوت کی خدمت میں پیش کیا ہے۔

میں عزیز محترم کو مبارکباد پیش کرتا ہوں اور دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب سے تشنگان علوم دینیہ کی تشنگی دور فرمائے، کتاب کو نافع بنائے، مؤلف، اس کے اساتذہ، احباب، والدین، متعلقین اور جامعہ کے لیے ذخیرۂ آخرت بنائے اور جامعہ کے اساتذہ کو بالعموم اور مؤلف کو بالخصوص تحریری وغیر تحریری خدمات دینیہ کی مزید توفیق عطا فرمائے۔

آمین!

(مولانا) غلام محمد وستانوی (حفظہ اللہ)

رئیس جامعہ اسلامیہ اشاعت العلوم اکل کوا، نندوربار، مہاراشٹر

۴؍رجب المرجب ۱۴۳۴ھ - ۱۵؍مئی ۲۰۱۳ء

کلماتِ توثیق

حضرت مولانا محمد رضوان الدین صاحب معروفی مدظلہ
شیخ الحدیث امعہ اسلامیہ اشاعت العلوم اکل کوا،نندوربار،مہاراشٹر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم -اما بعد!

آسمانی کتابوں میں سب سے زیادہ مقبول، محبوب اور محکم وپائیدار کتاب "قرآن مجید" ہے جس کے متعلق ارشادِ نبویؐ ہے: **ھو حبلُ اللّٰہ المتین، و ھو الذکر الحکیم، و ھو الصراط المستقیم.** (رواہ الترمذی)

بلاشبہ قرآن مجید انسانی دینی رہنمائی کے لیے نسخۂ اکسیر ہے، ہر مرض کی شفا ہے، تشنگان معرفت کے لیے شرابِ طہور ہے، اہل محبت کے لیے سامانِ تسکین ہے، اسرار وحکم، لطائف وحقائق کا گنجینۂ لازوال ہے۔ یہ سب کچھ ہے بلکہ ان سب سے بھی زیادہ اور بہت زیادہ اور بہت کچھ ہے، بلکہ سب کچھ ہے۔ تبیاناً لِکُل شیء کا آوازہ اپنی جگہ بالکل سچ اور حق ہے۔

مگر بندگانِ خدا کی ایک بہت بڑی تعداد، قرآن کی زبان سے ناواقفیت اور کلام ومتکلم کے مزاج سے ناآشنائی کے سبب، نیز اس کے مضامین کی لطافت ونزاکت کے بوجہ، بسا اوقات ان گوہر ہائے قیمیہ سے محروم رہ جاتی ہے۔ بلکہ کبھی تو ایسا بھی ہوتا ہے کہ غیر مراد کو مراد سمجھ لیا جاتا ہے اور پھر کسی بڑی گمراہی کا دروازہ کھل جاتا ہے، اس بنا پر قوم وملت کا درد، دین وشریعت کا پاس رکھنے والے اور اللہ کا خوف رکھنے والے علما نے قرآن فہمی کے لیے اصول وقواعد مرتب کیے۔ اور قواعد التفسیر واصول التفسیر کو مستقل ایک فن کی حیثیت دے دی تا کہ امت کج فہمی، بدفہمی، غلط فہمی، نافہمی یا تفسیر بالرای جیسی بیماریوں کا شکار نہ ہونے پائے۔

تفسیر کے ان ہی اصول وقواعد پر مشتمل ایک نہایت وقیع پُر مغز اور حل مشکلات کتاب مسند الہند حضرت الشاہ ولی اللہ الدہلوی رحمہ اللہ کی ''الفوز الکبیر'' ہے، جو واقعی اسم بامسمّٰی ہے، قرآنی تفسیر کے دوران تمام مراحل وعقبات سے بے خطر گذر کر مراد باری تعالیٰ تک پہنچنے کے لیے ایک مضبوط زینہ ہے، راہِ تفسیر کی وادیوں میں ضیا بخشنے والی ایک مشعل تاباں ہے، اس کے اعتماد واستناد اور افادیت کا اندازہ کرنے کے لیے حضرت شاہ صاحبؒ کا نام ونسبت ہی کافی ہے۔ حضرت شاہ صاحب کی یہ کتاب دراصل فارسی زبان میں تھی۔ اس کی تعریب وتشریح کا کام کیا گیا۔ کئی مفید شرحیں بھی اردو عربی میں لکھی گئیں۔ لیکن آج کے اس دورِ انحطاط میں طلبہ کی علمی بے ذوقی اور گرتی ہوئی صلاحیت کے پیش نظر ضرورت تھی کہ اردو زبان میں اس کی تلخیص کردی جائے جس سے طلبہ کو سمجھنا پھر یاد کرنا آسان ہو جائے۔ نوشتۂ تقدیر نے یہ کام محترم جناب مولانا افتخار احمد صاحب قاسمی استاذ جامعہ اکل کوا کے نام مقدر کر رکھا تھا۔ چناں چہ مولانا موصوف نے (اصطلاحات اصول تفسیر) نامی کتاب ترتیب دی۔ کتاب کی تکمیل پر موصوف نے خادم القرآن حضرت مولانا غلام محمد صاحب وستانوی دامت برکاتہم کی خدمت میں اس کو پیش کیا حضرت وستانوی نے مجھ ناچیز حقیر وفقیر کو اس کے متعلق اظہار خیال اور کچھ لکھنے کا حکم دیا۔ نیز خود مؤلف موصوف کی یہ تمنا ہوئی کہ یہ ناچیز اپنا تأثر پیش کرے۔ چناں چہ اسی پس منظر میں یہ سطریں سپرد قرطاس کی جارہی ہیں کہ کتاب اپنے مقصد میں کامیاب ہے۔ مصطلحاتِ کتاب کو بہت ہی آسان اور سلیس اسلوب میں پیش کیا گیا ہے۔ زوائد اور غیر ضروری طوالت سے احتراز کا بھرپور اہتمام ہے۔ امید ہے کہ یہ کتاب ''الفوز الکبیر'' کے درس وتدریس اور استفادہ میں فائز المرامی کا ذریعہ بنے گی۔ اللہ کرے یہ کتاب قرآن فہمی اور طلبہ میں تفسیری صلاحیت آفرینی کا بہترین ذریعہ ثابت ہو اور مؤلف کی یہ علمی کاوش عند اللہ وعند الناس مقبول ہو۔

احقر رضوان المعروفی

خادم التدریس جامعہ اکل کوا/ ۱۶/۷/۳۴ھ

اپنی بات

اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب قرآن کریم ''اصلاح معاذ'' کے مقصد سے ''توحید'' ''رسالت'' اور ''آخرت'' کے بنیادی عنوان اور کلیدی عناصر کے ساتھ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی ہے۔اس کتاب کی صحیح مراد تک رسائی کے لیے متقدمین علمائے اہل سنت والجماعت نے قرآن وحدیث کے مطالعے میں تدین کے ساتھ زندگیاں کھپا کر قرآن وحدیث سے اخذ فرما کر کچھ وہبی ونقلی اصول بیان فرمائے ہیں۔جن کو حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے فارسی زبان میں ''الفوز الکبیر فی اصول التفسیر'' کے نام سے ''طالبان علوم تفسیر'' کے لیے بالخصوص یکجا فرمایا تھا۔پھر ایک دمشقی عالم دین شیخ محمد منیر دمشقی نے اس کی تعریب فرمائی تھی اور حال ہی میں دارالعلوم دیوبند کے شیخ الحدیث استاذ گرامی قدر حضرت مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری مدظلہ العالی نے بھی آسان عربی میں اس کتاب کو منتقل فرمایا۔انہیں تمام مباحث کو ''اصطلاحاتِ اصولِ تفسیر'' کے نام سے اردو زبان میں اختصار وتسہیل کے ساتھ افادۂ عام کے مقصد سے پیش کیا جارہا ہے، جس کی تیاری میں ''التقصیر فی التفسیر'' ''اشرف التفاسیر'' ''بیان القرآن'' اور ''علوم القرآن'' سے بھی مدد لی گئی ہے۔

اللہ تعالیٰ اس رسالے کو نافع بنائے، مؤلف، اس کے والدین واساتذہ اور معاونین ومخلصین کے لیے ذریعۂ نجات بنائے۔آمین!

افتخار احمد قاسمی بستوی/استاذ جامعہ اکل کوا

۱۷/جمادی الاخری ۱۴۳۴ھ-۲۹/اپریل ۲۰۱۳ء، بروز پیر

مُقَدِّمَۃ

اصول تفسیر

اللہ کے کلام کی مراد کو کھولنے اور واضح کرنے کے لیے علمائے امت نے کچھ اصول وضوابط بنائے ہیں، انہیں اصول وضوابط کا مجموعہ امت کے سامنے "اصول تفسیر" کی شکل میں سامنے آیا ہے، جو "فن اصول تفسیر" کے نام سے مدون ہے اور مدارس وجامعات میں پڑھا، پڑھایا جاتا ہے۔

تعریف: کسی بھی "فن"، "اصطلاحی بات" اور قاعدے کی پہچان کرانے کو "تعریف" کہتے ہیں، جس کا دوسرا نام "حد" ہے۔ حد کی دو قسمیں ہیں: (۱) حد اضافی (۲) حد لقبی

حد اضافی: کسی بھی فن کا نام اگر دو یا اس سے زائد لفظوں سے مل کر بنا ہے تو ہر لفظ کے لغوی معنی بتلا دینا ہی "حد اضافی" کہلاتا ہے۔

مثال: اصول تفسیر" یہ ایک فن ہے، جو دو لفظوں اصول اور تفسیر سے مل کر بنایا گیا ہے (اصول اور تفسیر) تو اصول اور تفسیر کے لغوی معنی بتادینا "حد اضافی" کہلائے گا۔

حد لقبی: کسی بھی فن کے "موضوع" اور "غرض وغایت" کو ملا کر تعریف کرنے کو "حد لقبی" کہتے ہیں۔ مثال آرہی ہے۔

اصول تفسیر کی حد اضافی:

"اصول تفسیر" میں دو لفظ ہیں: اصول اور تفسیر، اصول: جمع ہے، اس کا واحد

’’اصل‘‘ ہے۔لغت میں اس کے معنی ہیں: جڑ،اساس، بنیاد،ایسی شئ جس پر کوئی دوسری شئ ٹھہرے اور قائم رہے۔

تفسیر کے لغوی معنی واضح کرنا اور بیان کرنا ہے، یہ لفظ باب تفعیل کا مصدر ہے فَسَّرَ یُفَسِّرُ تَفْسِیْرًا استعمال ہوتا ہے(۱)۔

اصول تفسیر کی لغوی تعریف: اصول: جڑ، بنیاد،تفسیر: کھولنا واضح کرنا۔

حد اضافی کے عنوان سے اصول تفسیر کی جو’’ حد اضافی‘‘ اوپر پہلے ذکر کی گئی ہے، اسی کو’’لغوی تعریف‘‘ بھی کہتے ہیں۔مختصراً یہ کہ’’ حد اضافی‘‘ کا دوسرا نام’’لغوی تعریف‘‘ بھی ہے۔

اصول تفسیر کی حد لقبی:

اصول تفسیر ایسے قواعد واصول کے جاننے کا نام ہے جن سے قرآن کریم میں اللہ کی مراد کو بشری طاقت کے بقدر صحیح صحیح جانا جاسکے۔

اصطلاحی تعریف: ’’حد لقبی‘‘ ہی کا دوسرا نام’’اصطلاحی تعریف‘‘ ہے۔گویا کہ کہہ سکتے ہیں کہ ’’اصول تفسیر کی اصطلاحی تعریف یہ ہے کہ ایسے قواعد واصول کو جانا جائے جن سے قرآن میں اللہ کی صحیح صحیح مراد انسانی طاقت کے بقدر معلوم ہوسکے۔

---

(۱) تفسیر: تفسیر کی اصطلاحی تعریف عربی زبان میں یہ ہے ’’ اَلتَّفْسِیْرُ عِلْمٌ یُبْحَثُ فِیْهِ عَنِ الْقُرْآنِ الْمَجِیْدِ مِنْ حَیْثُ دَلَالَتُهٗ عَلٰی مُرَادِ اللّٰهِ تَعَالٰی بِقَدْرِ الطَّاقَةِ الْبَشَرِیَّةِ‘‘ (الفوز الکبیر فی اصول التفسیر:ص/۱۳، جدید نسخہ عربی ترجمہ مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری مدظلہ،مطبوعہ مکتبہ حجاز دیو بند) فن تفسیر ایک ایسا علم ہے جس میں قرآن کریم سے اس حیثیت سے بحث کی جاتی ہے کہ اللہ کی مراد کس آیت سے کیا ہے، انسانی طاقت کے بقدر اس کا پتہ لگایا جائے۔اس تعریف میں دو باتوں کو ملحوظ رکھا گیا ہے: (۱) موضوع (۲) غرض وغایت۔موضوع تو قرآن کریم ہے اور غرض وغایت صحیح مراد تک پہونچ کر اس پر عمل ہے، انھیں دونوں باتوں سے مل کر حد لقبی اور تعریف کی گئی ہے۔

موضوع: اصول تفسیر کا موضوع، قرآن کریم، اس کی آیات اوران سے اخذ کردہ اصول ہیں۔

غرض وغایت: اصول تفسیر کی غرض وغایت خدا تعالیٰ کی ''صحیح مراد تک رسائی'' اور اس پر ''عمل'' ہے، تا کہ دارین کی سعادت ملے اور معاد کی اصلاح ہو۔

اصول تفسیر کی فضیلت: کسی بھی فن کی فضیلت اس کے موضوع سے ظاہر ہوتی ہے، اصول تفسیر کا موضوع ''قرآن کریم'' ہے، قرآن کی فضیلت کس کو نہیں معلوم؟! کہ یہ کلامِ الٰہی ہے، صفتِ خداوندی ہے، اللہ بھی باقی، اس کی صفت بھی باقی، تو اسی صفتِ کلام کو موضوع بنانے والا بھی باقی رہے گا۔ یہی اس فن کی فضیلت کے لیے کافی ہے، پھر بھی کچھ اور فضیلتیں حوالۂ قلم ہیں:

(۱) اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام کی خود ہی تفسیر وتشریح فرمائی ہے، اس کے لیے ''ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهُ'' (القیامہ:۱۹) ارشاد فرمایا ہے کہ پھر ہماری ذمے داری اس کلام کی تفسیر وتشریح ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی اپنے ''کلام کے'' ''مفسرِ اول'' ہیں، اور یہ بات فضیلت کے لیے کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ خود مفسرِ اول ہیں۔ اب جو بندہ اللہ تعالیٰ کے کلام کی تفسیر میں اشتغال ومصروفیت رکھے گا، صحیح مراد تک پہونچنے کے لیے اصول تفسیر اور قوعد وضوابط کی چھان پھٹک میں اپنا وقت لگائے گا وہ خدا والے عمل میں مشغول ہوگا، خدا تعالیٰ بڑے، اس کا عمل بڑا، اسی بڑے عمل میں یہ بندہ بھی مشغول، تو رفعت وبڑائی اس بندے کا بھی حصہ ہوگی (انشاءاللہ!)۔

(۲) قرآن کریم کے معانی کھول کر بیان کرنے کا فریضہ، خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی تھا، جس سے صحیح مرادِ قرآنی صحابۂ کرام کو بتلانا مقصود تھا، اللہ تعالیٰ کا ارشاد

ہے: وَ اَنْزَلْنَا اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ، وَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ (سورۂ نحل:۴۴) —اور ہم نے آپ پر ذکر (قرآن) کو نازل کیا ہے تاکہ آپ لوگوں کو ان کے لیے نازل کردہ چیزیں بیان کر کے بتلادیں، اور تاکہ وہ غور کریں۔

مذکورہ بالا آیت کے پیش نظر حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کی اور اس کے اصولوں کی تفسیر وتشریح کبھی تو اپنے قول وکلام سے فرمائی، تو کبھی اپنے افعال وسیرت سے، گویا کہ قرآن اور اس کے اصولوں کے "مفسر ثانی" خود محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ آپ کی اقتدا میں قرآن اور اس کے اصولوں کو پڑھنا، مرادِ قرآنی کو جاننا اور بتلانا یقیناً فضیلت کی بات ہوگی۔

(۳) تفسیر قرآن اور اس کے اصولوں کی جانکاری اتنی فضیلت واہمیت کی چیز ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچازاد بھائی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو خدا تعالیٰ سے دلانے کی باضابطہ ان الفاظ میں دعا فرمائی کہ: اَللّٰهُمَّ عَلِّمْهُ الْكِتَابَ (رواہ الحاکم) خدایا! انہیں (جو میرے چچازاد بھائی ہیں) قرآن (کی تفسیر وتشریح اور اس کے اصولوں) کا علم عطا فرما!

بخاری شریف میں تو یہی الفاظ ہیں، البتہ امام حاکم نے الفاظ کی تبدیلی کے ساتھ یہی دعا یوں نقل فرمائی ہے: اَللّٰهُمَّ عَلِّمْهُ التَّاوِيْلَ (رواہ الحاکم) اے اللہ! انہیں (جو میرے ہی چچا کے فرزند ہیں) تاویل وتفسیر سکھلا دے۔

طویل صحبت یافتہ، قدیم صحابی اور معلم قرآن حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی قرآن فہمی، عبقری شخصیت اور مہارت

کی صاف شہادت دی ہے، چناں چہ امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول اس طرح نقل کیا ہے: نِعْمَ تَرْجُمَانُ الْقُرْاٰنِ ابْنُ عَبَّاسٍ (رواہ الحاکم) ابن عباس قرآن کریم کے کتنے عمدہ اور ماہر ترجمان ہیں!۔

(۴) حدیث شریف میں آیا ہے "خَیْرُکُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَہٗ" تم میں سب سے بہتر وہ ہے جو قرآن سیکھے اور اُسے سکھائے۔

اس حدیث میں "قرآن سیکھے" کا لفظ عام ہے، قرآن کے الفاظ سیکھے اور اصول و تفسیر پڑھے اور پڑھائے۔ اصول تفسیر اور تفسیر و معانی مراد لینا زیادہ لائق ہے جس سے "اصولِ تفسیر" کی فضیلت معلوم ہوئی۔

تفسیر و تاویل:

متقدمین علمائے امت کے نزدیک جو معنی تفسیر کے ہیں، وہی معنی تاویل کے بھی ہیں، بالفاظِ دیگر تفسیر اور تاویل دونوں کے ایک ہی معنی ہیں، دونوں میں کوئی فرق نہیں۔

متأخرین:

متأخرین علمائے امت کے نزدیک تفسیر اور تاویل دونوں میں فرق ہے، دونوں کے الگ الگ معنی ہیں۔ چناں چہ امام ابو منصور ماتریدیؒ فرماتے ہیں: تفسیر کی تعریف یہ کہ کسی لفظ کی مراد کو یقینی طور پر بتلائے کہ اس لفظ کی مراد بلا شبہ یہی ہے، اور گواہی دی جائے کہ اللہ نے اس لفظ سے یہی مراد لیا ہے۔

تفسیر صحیح:

تفسیر صحیح ایسی تفسیر کو کہتے ہیں جس میں کسی لفظ کے معنی قطعی، قطعی دلیل سے متعین کئے جائیں، یا کوئی قرینہ پایا جائے۔

تفسیر بالرائے:

تفسیر بالرائے ایسی تفسیر کو کہتے ہیں جس میں کسی لفظ کے معنی قطعی طور پر مقرر کیے جائیں، لیکن کوئی قطعی دلیل نہ ہو۔

بالفاظ دیگر: تفسیر بالرائے ایسی تفسیر کا نام ہے جو اپنی طرف سے اور خواہش سے کی جائے جس سے شریعت کا کوئی قطعی و اجماعی مسئلہ بدل جائے، یا سلف کے کسی متفقہ عقیدہ کے خلاف ہو۔

تاویل:

کسی لفظ یا آیت کے چند معانی ہوں، جن میں سے کسی ایک معنی کو کسی غیر قطعی دلیل سے مراد لے لیا جائے تو اس کو تاویل کہتے ہیں۔

پہلا باب:

علومِ خمسہ کا بیان

علوم خمسہ(۱):

''علوم خمسہ'' وہ پانچ علوم ہیں جن کو قرآن کریم نے صراحت کے ساتھ بیان کیا ہے، پورا قرآن پڑھ جایئے، آپ کو بھی پتہ چلے گا کہ قرآن کریم میں انھیں ''پانچ علوم'' سے

---

(۱) اللہ تعالیٰ نے ''علوم خمسہ'' کو قرآن کریم میں قدیم عرب کے طرز پر بیان فرمایا ہے، متاخرین علما اور جدید عرب کے طرز پر بیان نہیں کیا ہے۔ اسی لیے احکام کی آیتوں میں ایسا اختصار آپ نہیں پائیں گے جس کو ''اہل متون'' اختیار کرتے ہیں، نیز اس میں نہ تو بلا ضرورت مختلف طرح کی قیود ہیں، کیوں کہ یہ قیود اہل اصول کا طریقہ رہا ہے، البتہ یہ بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ''آیات جدل ومخاصمہ'' میں خصم یعنی مد مقابل کو عوام کے نزدیک مشہورات مسلمہ قواعد کے ذریعہ اور خطابات نافعہ (لفظی ظنی ومقبول باتوں سے مرکب قیاس) کے ذریعہ زیر کیا ہے۔ اہل منطق کے انداز پر دلائل کی تنقیح وتفتیش نہیں کی ہے، نہ ہی ایک موضوع سے دوسرے موضوع کی طرف منتقل ہونے کے لیے کسی انسانی امر مناسب کا لحاظ کیا ہے جیسا کہ متاخرین ادبا کا طرز ہے۔ بل کہ جو چیزیں بندوں کے لیے جب ضروری ہوئیں بتلا دیا چاہے اس میں تقدیم ہو یا تاخیر۔

ہر آیت کے لیے شان نزول کی ضرورت نہیں: عام مفسرین کا یہ طریقہ رہا ہے کہ آیات جدل اور آیات احکام میں سے ہر ہر آیت کے شان نزول کے لیے کوئی نہ کوئی قصہ بیان کرتے ہیں، اور اسی قصے کو شان نزول سمجھتے ہیں، حالاں کہ قرآن کریم کے دنیا میں اتارے جانے کا اصلی مقصد تو باطل عقائد کا یک لخت خاتمہ اور انسانوں کی اصلاح وفلاح ہے، لہٰذا عقائد باطلہ کا انسانوں کے دماغوں میں موجود رہنا ہی ''آیات جدل'' کا شان نزول ہوگا اور لوگوں کے عقائد کا بگاڑ اور اعمال فاسدہ میں اشتغال ''آیات احکام'' کا شان نزول ہوگا۔ اسی طرح لوگوں کی غفلت شعاری، اللہ کے انعامات سے نصیحت قبول نہ کرنا، خدا کے عذاب کے واقعات سے اپنے کو نہ سنبھالنا اور موت وحشر کے واقعات سے غافل رہنا، یہی سب باتیں ''آیات تذکیر'' کا شان نزول ہیں اور ہر ہر آیت کے لیے شان نزول تلاش کرنا یا بیان کرنا ایک امر زائد ہے جس کی تفسیر میں، چنداں ضرورت نہیں، ہاں کچھ جزوی واقعات جن کی توضیح پر آیت کی تفہیم منحصر ہو اس کو بیان کرنا ضروری ہے۔ (شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ)

گفتگو کی گئی ہے، وہ مندرجہ ذیل ہیں:

(۱)علم الاحکام (۲)علم الجدل (۳)علم التذکیر بآلاء اللہ

(۴)علم التذکیر بایام اللہ (۵)علم التذکیر بالموت ومابعد الموت

(۱)علم الاحکام

احکام کی بحث میں ''قاعدۂ کلیہ'' یہ ہے کہ ہمارے سردار، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اس دنیا میں ''ملت ابراہیمی حنفی'' کے ساتھ ہوئی ہے، لہٰذا اسی ملت ابراہیمی کے شرائع کی بقا ضروری ہے، جس کے بنیادی مسائل میں چنداں تغیر نہ ہوسکے، البتہ یہ کہ بعض جگہ تعمیم کو تخصیص میں بدلنا یا مطلق کو مقید کرنا، اس کی گنجائش ہے۔ اس کی قدرے تفصیل یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ پوری دنیا کی اصلاح ہو، تو شریعت محمدی کے اجزائے ترکیبی اور بنیادی مادے میں عرب کی قدیم عادات وصالح اطوار کو داخل فرمایا۔ چناں چہ اگر آپ ملت حنفی ابراہیمی کے شرائع پر ایک مجموعی عمیق نظر ڈالیں اور عرب کی عادات واطوار کا جائزہ لیں پھر شریعت محمدی میں غور کریں تو آپ کو یقیناً پتہ چلے گا کہ ہر حکم کا کوئی سبب ہوتا ہے اور ہر امر ونہی کے لیے ایک مصلحت ہوتی ہے جس کی تفصیل طویل ہے۔

تحریف شدہ ملت ابراہیمی کی اصلاح میں شریعت اسلامیہ کا جوہری کردار

ملت ابراہیمی کی عبادتوں میں طرح طرح کی خرابیاں درآئی تھیں، طہارت، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ اور ذکر الٰہی کا اصلی طریقہ بدل کر اختراعی طریقہ جنم لے چکا تھا۔ جس کا ایک دوسرا سبب یہ تھا کہ مذکورہ عبادتوں میں سے اکثر کی لوگوں کو خبر ہی نہیں تھی جس کی وجہ سے آپس میں بیٹھ کر اختلاف کیا کرتے تھے، اور جاہلیت کے زمانے کی تحریفات ان

1

عبادتوں میں داخل کرتے۔اس پس منظر میں اللہ تعالٰی نے قرآن کریم نازل فرما کران تمام فسادات وبگاڑ پراگنگی رکھی جوان میں پھیلے ہوئے تھے،جس سے اصلاح ہوئی اورملت ابراہیمی صحیح شکل میں سامنے آئی۔رہی بات ''تدبیر منزل'' کی،جس کو عائلی زندگی اورگھریلو رہن سہن کہہ سکتے ہیں تواس میں بھی نہایت نقصان دہ قسم کے رسم ورواج جڑ پکڑ چکے تھے، اور خانگی زندگی میں ایک دوسرے کی حق تلفی اورظلم وتعدی عام تھی،جس سے شہری زندگی کے حقوق کی ادائیگی پراثر پڑرہا تھا اور''سیاست مدینہ'' کے احکام پر عمل متروک تھا۔ایسے حالات میں قرآن اترا،''گھریلوزندگی'' اور''شہری زندگی'' کے اصول وضوابط بتلائے،اور ہرایک کے لیے گھریلواور بیرونی زندگی کی حدودمقرر کیں۔اور''تدبیر منزل'' و''سیاستِ مدینہ'' میں صغیرہ وکبیرہ گناہوں کی تعیین فرمائی،تاکہ امت ان سے بچ کراپنی آخرت سنوارے۔قرآن کریم میں نماز سے متعلق احکام کی آیات مختصر طور پر اتاریں جس میں ''اقامتِ صلاۃ'' کا جامع لفظ استعمال کیا،پھر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے''اقامت صلاۃ'' کی تشریح فرمائی کہ نماز کے لیے مسجد بنائی جائے،مسلمان جماعت بنا کرایک امام کے پیچھے،مسجد میں،اذان دے کر،نماز کے مقررہ اوقات میں پانچ مرتبہ خشوع وخضوع کے ساتھ نماز پڑھیں۔احکام کی آیتوں میں''زکوۃ'' کوقرآن میں اجمالی طور پر بیان کیا،پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مال کا نصاب،بکری،گائے،اونٹ اورسونا چاندی میں زکوۃ کی مقدار،نصاب کی تعیین اورمستحقین زکوۃ کی صاف صاف تشریح فرمائی۔روزے کے بارے میں احکام کی آیات نازل ہوئیں،جن کا سورۂ بقرہ میں ذکرموجود ہے،کچھ باتیں حج سے متعلق سورۂ بقرہ میں بھی ہیں،سورۂ بقرہ اورسورۂ انفال میں''جہاد'' کا ذکر ہے،جہاد کا کچھ تذکرہ متفرق طور پر بھی مختلف سورتوں میں آیا ہے۔''مائدۂ'' اور''نور'' نامی سورتوں میں

''حدوداللہ'' کا ذکر ہے، ''سورۂ نساء'' میں میراث کے مسائل واحکام بیان کیے گئے ہیں۔ اسی طرح نکاح، طلاق، خلع وغیرہ سے متعلق احکام کا ذکر اللہ تعالیٰ نے ''سورۂ طلاق'' ''سورۂ نساء'' اور سورۂ بقرہ میں اصولی طور پر کردیا ہے۔ یہ تمام آیات ''علم الاحکام'' سے متعلق ہیں، جن کو علمائے اصول فقہ نے شمار کر کے پانچ سو آیتوں تک پہونچایا ہے۔

(۲) علم الجدل ''علم الجدل'' کا ایک دوسرا نام ''علم المخاصمہ'' بھی ہے:

تعریف: علم المخاصمہ یا علم الجدل ایسا علم ہے جس میں مشہور چار فرقے: مشرکین، یہود، نصاریٰ اور منافقین سے گفتگو کی جاتی ہے۔

جدل کے دو طریقے: قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے جدل کے دو طریقے استعمال کیے ہیں:

پہلا طریقہ: جدل ومخاصمت کا پہلا طریقہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ باطل عقیدہ بیان کرتے ہیں، پھر اس کی قباحت ذکر کرتے ہیں، پھر اس کے اپنی طرف سے نہ ہونے کو بیان کرتے ہیں کہ میں نے اس عقیدے کا حکم نہیں دیا۔

دوسرا طریقہ: جدل کا دوسرا طریقہ قرآن کریم میں یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کافروں سے بے بنیاد شبہات کو پہلے بیان کرتے ہیں، پھر ''دلیل برہانی'' (۱) یا ''دلیل خطابی'' سے اس کا جواب دیتے ہیں۔

(۱) دلیل برہانی: ایسا قیاس جو یقینیات سے مرکب ہو اس کو ''دلیل برہانی'' کہتے ہیں۔ دلیل خطابی: ایسا قیاس جو ظنی یا مقبول مقدموں سے مرکب ہو اس کو ''دلیل خطابی'' کہتے ہیں۔

مشرکین، منافقین، یہود، نصاریٰ

مشرکین:

قرآن کریم میں مشرکین، منافقین، یہود اور نصاریٰ سے مجادلے کا بیان ہے، تو یہاں اب مشرکین مکہ کی کچھ تفصیل دی جارہی ہے جو مخاصمے کے صریح مخاطب تھے۔ اُس وقت جو مشرکین، مکہ میں رہتے تھے وہ اپنے آپ کو حنیف کہتے تھے۔

حنیف (۱): دین ابراہیمی اور اس کے احکام ماننے والے کو حنیف کہتے ہیں۔

ملت ابراہیمی کے شعائر:

ملت ابراہیمی کے شعائر حسبِ ذیل تھے:

(۱) حج بیت اللہ (۲) استقبال قبلہ
(۳) غسلِ جنابت (۴) ختنہ
(۵) ۱۰/ خصال فطرت (۲) (۶) ''اشہر حرم'' (۳) کی حرمت
(۷) مسجد حرام کی تعظیم (۸) نسبی اور رضائی رشتہ داروں کی تحریم
(۹) ذبح کرنا (۱۰) نحر کرنا
(۱۱) ذبح اور نحر کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی

---

(۱) حنیف: اس کی جمع حنفاء آتی ہے، یہ لفظ فعیل کے وزن پر آتا ہے، لغوی معنی: مائل ہونا، حنیف: تمام ادیان سے ہٹ کر سیدھے دین کی طرف مائل ہونے والا۔ اصطلاحی تعریف: دین ابراہیمی پر عمل کرنے والے کو حنیف کہتے ہیں۔

(۲) خصال فطرت: یہ کل دس ہیں: ۱) مونچھ کترنا۔ ۲) داڑھی بڑھانا۔ ۳) مسواک۔ ۴) ناک میں پانی لے جانا۔ ۵) کلی کرنا۔ ۶) ناخن کاٹنا۔ ۷) ہڈیوں کے جوڑ دھونا۔ ۸) بغل کے بال اکھاڑنا۔ ۹) موئے زیر ناف حلق کرنا۔ بقیہ ص......

شرائعِ ابراہیمی:

ابراہیم علیہ السلام کی شریعت میں حسبِ ذیل چیزیں تھیں:

(۱)وضو	(۲)نماز	(۳)روزہ
(۴)صدقہ وخیرات	(۵)پریشان حال کی مدد	(۶)صلہ رحمی
(۷)قتل کی حرمت	(۸)چوری کی تحریم	(۹)زنا کی حرمت
(۱۰)سود کی ممانعت	(۱۱)غصب کی ممانعت	

مذکور الصدر تمام نیک اعمال اور برے اعمال کا چرچا مشرکینِ عرب میں موجود تھا، نماز، روزہ، اور صدقہ وخیرات کو اچھا سمجھتے، اس کی تعریف کرتے۔ قتل وخوں ریزی، سود اور زنا کاری کو برا جانتے، اس کی برائی ایک دوسرے سے بیان بھی کرتے۔ لیکن عام مشرکین کا حال یہ تھا کہ اچھے اعمال کا ان کی زندگیوں میں کوئی وجود نہ تھا، اور نفس وشیطان کی پیروی میں سارے برے اعمال کرتے تھے۔

عقائدِ ابراہیمی:

مشرکینِ مکہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے عقیدے موجود تھے۔ دنیا بنانے والے صانعِ حقیقی خداوند قدوس کو وہ مانتے تھے، آسمان وزمین کو پیدا کرنے والا اسی کو

بقیہ ص .... ۱۰) استنجا کرنا۔ مسلم شریف میں ہے کہ راوی کہتے ہیں کہ شمار میں دسویں چیز میں بھول گیا (رواہ مسلم، مشکوٰۃ رقم الحدیث ۳۷۹) تھا شاید وہ کلی کرنا ہو۔ (۳) اشہر حرم: ۴ ہیں: ذی قعدہ، ذی الحجہ، محرم، رجب، اس کی حرمت کا مطلب یہ ہے کہ ان مہینوں میں نیک کام پر ثواب ملے گا اور گناہوں میں شدت زیادہ ہوگی، بیان القرآن ۱/۱۰۱ میں ہے کہ "جمہور ائمۂ دین کا اجماع ہے کہ اشہر حرم میں اب قتل وقتال جائز ہے اور جن آیات سے ممانعت معلوم ہوتی ہے وہ منسوخ ہیں لیکن افضل اب بھی یہی ہے کہ اشہر حرم میں ابتدا بالقتال نہ کرے"۔

جانتے تھے، بڑے بڑے حوادث وواقعات کا وقوع اسی کی طرف سے جانتے تھے۔ رسولوں کی بعثت، جزا وسزا کا نفاذ، بندوں کے اعمال کا حساب یہ سب کچھ وہ مانتے تھے۔ بڑے بڑے حالات کا تقدیر میں ہونا، ان کے واقع ہونے کا وقت خدا ہی کو معلوم ہے، یہ سب عقائد رکھتے تھے۔ ملائکہ کو مانتے تھے، فرشتوں کو خدا کے مقرب بندے تصور کرتے تھے، ان کو تعظیم کا مستحق بھی قرار دیتے تھے۔ یہ سب باتیں مشرکین مکہ کے اشعار میں ملتی تھیں اور آج بھی ملتی ہیں، لیکن عام لوگ ان عقائد پر شبہات میں پڑے تھے، اور ان کو اس کا پکا یقین نہ تھا۔

مشرکین کی گمراہی:

مشرکین عرب کی گمراہی میں آخرت کا انکار، رسالت ونبوت کو نہ ماننا، خدا کی ذات وصفات میں شریک ٹھہرانا، تشبیہ وتحریف کا قائل ہونا، داخل تھا۔ مزید براں آپس میں ایک دوسرے پر ظلم کرنا، گندے گندے افعال کا مرتکب ہونا، باطل رسم ورواج کی تقلید کرنا اور خدا کی عبادت کی جگہ بتوں کو پوجنا بھی شامل تھا۔

شرک کی تفصیل

شرک: اللہ کی خاص صفات کو غیر اللہ کے لیے ثابت کرنا ''شرک'' کہلاتا ہے۔

مثال: ۱۔ تصرف بالارادۃ: عالم میں اللہ تعالیٰ اپنے ارادے سے جو تصرف وتبدیلی کرنا چاہتے ہیں وہ کرتے ہیں اسی کو ''کن فیکون'' (۱) کی صفت وطاقت بھی کہتے ہیں۔ اس صفت میں اللہ تعالیٰ تنہا ہیں، کسی اور کو اس تصرف میں شامل کرنا ''شرک فی الصفت'' ہے۔

---

(۱) کن: خدا کا حکم ہوتا ہے۔ كُنْ دَفْعَةً فَيَكُوْنُ دَفْعَةً اور كُنْ اِسْتِدْرَاجًا فَيَكُوْنُ اِسْتِدْرَاجًا۔ (بیان القرآن)

۲۔ علم ذاتی: اللہ تعالیٰ کی ایک صفت "علمِ ذاتی" ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جو کچھ جانتے ہیں وہ سب اس کا ذاتی ہے، حواس خمسہ ظاہرہ یا باطنہ (۱) سے یا عقل سے، یا خواب والہام سے حاصل شدہ علم نہیں ہے۔ اس صفت علم ذاتی میں اللہ تعالیٰ تنہا ہیں، کسی اور کو اس صفت میں شامل کرنا شرک کہلاتا ہے۔

۳۔ شفا دینا۔

۴۔ کسی کو ملعون بنانا۔

۵۔ کسی سے ناراض ہونا۔

۶۔ کسی پر رحمت نازل کرنا۔ یہ تمام صفات خدا ہی کے ساتھ خاص ہیں، کسی نے اگر ان صفات میں خدا کے علاوہ کسی اور کو شامل کیا تو شرک کیا۔

مشرکینِ مکہ کا شرک کیسا تھا؟:

مشرکینِ مکہ کا شرک ذاتی نہیں تھا، وہ کسی کو جواہر کی تخلیق میں خدا کے ساتھ شریک نہیں ٹھہراتے، نہ ہی بڑے بڑے امور میں کسی کو شریک ٹھہراتے، نہ ہی کسی کے لیے قدرِ ممانعت ثابت کرتے کہ جب اللہ تعالیٰ نے کسی امر کو وجوب میں لانے کا پختہ فیصلہ کرلیا ہے (تو دوسرا کوئی اس کو منع کرنے کی قدرت رکھے) بل کہ مشرکینِ مکہ کا شرک یہ تھا کہ اللہ کے بعض بندوں کو خاص خاص باتوں میں اللہ کا شریک ٹھہراتے اور گمان کرتے کہ جس طرح ایک بڑا بادشاہ اپنے سکریٹریوں اور وزیروں کو اپنے ملک کے اطراف واکناف میں حالات کا جائزہ لینے کے لیے بھیجتا ہے، اور بعض جزئی کاموں میں انہیں کو فیصلہ لینے کا اختیار دے دیتا ہے، اپنے خود اس سلسلہ میں کوئی فیصلہ نہیں لیتا، سوائے کسی خاص امر کے

(۱) حواس خمسہ ظاہرہ: ۱۔ ذائقہ، ۲۔ بصر، ۳۔ سونگھنا، ۴۔ لمس، ۵۔ سمع۔ باطنہ: خیال، حافظہ، وہم، متصرف، حس مشترک

جس میں صراحت کے ساتھ بادشاہ کا فرمان صادر ہو؛ بقیہ تمام کاموں میں رعایا اور عوام کو، حکام وفرماں رواؤں کے حوالے کر دیتا ہے، انہیں حکام کی سفارش قبول کرتا ہے اگر وہ اپنے خدام کے حق میں سفارش کریں، بعینہٖ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے بعض بندوں کو ''خدائی کا لباس'' پہنا دیا ہے، اب یہی بندے ایسے ہیں کہ انہیں کی ناراضگی اور خوشنودی، اللہ کے دوسرے بندوں کی اللہ سے ناراضگی وخوشنودی میں موثر ہے، اسی لیے دیگر بندگانِ خدا انہیں مقرب بندوں کا قرب حاصل کرنے کی انتھک کوشش کرتے ہیں، تاکہ مالکِ حقیق کے ساتھ ان کا بھی قرب بڑھے، اور ان کی بھی درخواستیں ان کے ذریعے منظور ہوں۔

مشرکین سے جدل کا طریقہ:

اللہ تعالیٰ نے اصولاً چار جماعتوں سے مجادلے کا حکم دیا ہے:

(۱) مشرکین (۲) منافقین (۳) یہود (۴) نصاریٰ

ان میں سے مشرکین سے مجادلہ کرنے کا تین طریقہ ہے:

(۱) مشرکین سے ان کے عقیدے پر دلیل مانگی جائے۔ اگر وہ اپنے اسلاف کی تقلید کو دلیل بنائیں تو اسے توڑا جائے۔

(۲) اللہ تعالیٰ اور مشرکین کے اسلاف کے درمیان عدم تساوی یعنی فرق کو ثابت کیا جائے۔

(۳) توحید پر تمام انبیائے کرام کا اجماع ہے، اس کو بیان کر کے مشرکین کے شرک کو باطل کیا جائے اور بتوں کی عبادت کی برائی بیان کی جائے کہ انسانی کمال سے بھی تمام بت خالی ہیں، تو خدائی کمال ان میں کیسے آسکتا ہے؟

مشرکین کا شرکِ تشبیہ:

پہلے بیان آچکا ہے کہ مشرکینِ مکہ انسانی صفات کو خدا کے لیے ثابت کرتے اور خدا کو بشری صفات کے مشابہ قرار دیتے، اسی کو "تشبیہ" کہتے ہیں۔ مشرکین کے اس شرک کو باطل کرنے کا ۳ طریقہ ہے:

(۱) مشرکین کے دعویٰ تشبیہ پر دلیل کا مطالبہ کیا جائے اور ان کے آباؤ اجداد کی تقلید کو باطل قرار دیا جائے۔

(۲) ثابت کیا جائے کہ باپ اور بیٹے میں مجانست و مناسبت ہوتی ہے، یہاں تشبیہ میں مجانست بداہۃً نہیں ہے۔

(۳) اپنی ناپسندیدہ چیز کو عظیم خدا کی طرف منسوب کرنے کی برائی بیان کی جائے۔

منافقین سے جدل

نفاق کی قسمیں: نفاق کی دو قسمیں ہیں: (۱) نفاقِ عملی (۲) نفاقِ اعتقادی

نفاقِ عملی: نفاقِ عملی کی تعریف یہ ہے کہ آدمی اسلام میں دل سے داخل ہو لیکن عملِ اسلام میں کمزور ہو۔

نفاقِ اعتقادی(۱): نفاقِ اعتقادی کی تعریف یہ ہے کہ آدمی اسلام میں دل سے نہ داخل ہو، دل میں کفر رکھے اور ظاہر میں اسلام۔

نفاقِ عملی کی شکلیں: حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (۱۱۱۴ھ – ۱۱۷۶ھ) نے "الفوز الکبیر فی اصول التفسیر" میں نفاقِ عملی کی ۶ شکلیں تحریر فرمائی ہیں:

---

(۱) قرآن کریم میں جو نفاق کی مذمت اور منافقین کی سزا کا ذکر ہے کہ "إِنَّ الْمُنَافِقِينَ فِي الدَّرْكِ الْأَسْفَلِ مِنَ النَّارِ" (النساء:۱۴۵)۔ ....اس سے نفاقِ اعتقادی مراد ہے۔

(۱) اپنی قوم کی موافقت کہ اگر وہ اسلام پر باقی رہے تو یہ بھی باقی رہیں گے ورنہ یہ بھی اسلام ترک کر دیں گے۔

(۲) نفاقِ عملی کی ایک شکل یہ تھی کہ دل میں دنیا کی محبت پوری طرح بھری تھی، اب اس میں محبتِ رسول اور محبتِ اسلام کے لیے کوئی جگہ باقی نہ تھی۔

(۳) ایسے لوگ بھی تھے جن کے سینوں میں حسد، کینہ، بغض اور مال کی حرص کی آگ ایسی بھڑک رہی تھی کہ توجہ الی اللہ اور مناجات کے لیے سینوں میں جگہ ہی نہ تھی۔

(۴) دنیاوی اور معاشی کاموں میں مشغولیت اور آخرت سے غفلت بھی نفاقِ عملی کی ایک شکل تھی۔

(۵) ایسے بھی لوگ تھے جو کمزور مسلمان تھے، ان کے دلوں میں رسالتِ محمدیؐ کے بارے میں شک وشبہ آتا رہتا تھا۔

(۶) قبیلوں کی محبت اور تعصب بھی نفاقِ عملی کی ایک شکل میں داخل تھا۔

نفاقِ اعتقادی کا حکم: نفاقِ اعتقادی کا حکم یہ ہے کہ ایسے منافق کو جو نفاقِ اعتقادی رکھتا ہو ہمیشہ دوزخ میں رہنا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد "ان المنافقین فی الدرک الاسفل من النار" نفاق اعتقادی والے منافق ہی کے بارے میں ہے۔

نفاقِ عملی کا حکم: نفاقِ عملی کا حکم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو توبہ کرنے سے معاف کر دیں گے، اگر کوئی بغیر توبہ کیے مر گیا، تو نفاقِ عملی کی سزا کے لیے دوزخ میں جائے گا، پھر اس کی سزا پوری ہو کر اس کو جنت میں داخل کیا جائے گا۔ نفاقِ عملی گناہ کبیرہ کے مثل ہے۔

منافقین سے جدل کا طریقہ:

منافقین سے جدل کا طریقہ، جو قرآن کریم میں مذکور ہے، وہ یہ ہے کہ:

(۱) اللہ تعالیٰ منافقین کے باطل خیال کو بیان کرتے ہیں، اس کی برائی ذکر کرتے ہیں، پھر صرف اس سے اظہارِ نفرت فرماتے ہیں۔

(۲) دوسرا طریقہ یہ ہے کہ منافقین کے شبہات ذکر کرنے کے بعد ان کو دلیلوں سے ختم کرتے ہیں۔

نوٹ: یہی دونوں طریقے یہود ونصاریٰ اور مشرکین کے ساتھ بھی اپنائے گئے ہیں۔

ایک قاعدہ کلیہ: قرآن کریم کا مقصود تمام طرح کے مفاسد کو ختم کرنا ہے، اور مفاسد کلی طور پر چار باتوں میں منحصر ہیں:

(۱) شرک (۲) نفاق (۳) یہودیت (۴) نصرانیت۔

آج بھی اسی لیے قرآن کریم تمام مفاسد کو ختم کرنے کی بھرپور صلاحیت رکھتا ہے، اس لیے کہ یہی چاروں مفاسد پوری دنیا میں اور گھر گھر نام اور رنگ بدل کر نئے لباس میں پائے جاتے ہیں۔

یہود سے جدل کا طریقہ:

یہودیوں کو ان کی ''برائیوں'' سے ہٹا کر اسلام پر لانے کا عمل ''جدل'' کہلاتا ہے۔ جس کے دو طریقے ہیں:

(۱) قباحتِ عقائد کا ذکر۔ (۲) دلائل سے شبہات کا دفاع۔

یہودیوں کی برائیاں: یہودیوں کو ان کی ضلالت وگمراہی اور مختلف برائیوں سے ہٹانا ہی ''جدل'' کہلاتا ہے، تو یہ جاننا بھی ضروری ہے کہ یہودیوں کی برائیاں اور ضلالت و

گمراہی کس طرح کی تھی، چناں چہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (۱۱۱۴ھ تا ۱۱۷۶ھ) رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی "اصول تفسیر" کی کتاب "الفوز الکبیر فی اصول التفسیر" (۱) میں وہ برائیاں بیان کی ہیں جن کی تعداد سات ہے:

(۱) یہودی توریت پر ایمان رکھتے تھے، اسی کے باوجود ان کی ضلالت و برائی یہ تھی کہ توریت کی "تحریف لفظی" بھی کرتے تھے، "تحریف معنوی" بھی۔

(۲) توریت آسمانی کتاب تھی، پھر بھی اس کی "آیات" کو چھپا لیتے تھے۔

(۳) اپنی طرف سے بنا کر کوئی حکم توریت میں شامل کر دیتے۔

(۴) احکام توریت کے نافذ کرنے میں کوتاہی کرتے۔

(۵) اپنے باطل دین کی خوب پشت پناہی کرتے۔

(۶) خدا اور رسول دونوں کی شان میں گستاخی کرتے۔

(۷) بخل و حرص وغیرہ عادتیں ان کے اندر موجود تھیں۔

پہلی برائی:

یہودیوں کی تحریف: شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (۱۱۱۴ھ تا ۱۱۷۶ھ) کا قول ہے کہ یہودی توریت کے الفاظ میں تحریف و تبدیلی نہیں کرتے تھے، الفاظ تو صحیح پڑھتے لیکن معانی بدل دیتے تھے۔

عبداللہ بن عباسؓ کا قول: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا قول بھی یہی ہے کہ یہود الفاظ کا ترجمہ تو بدل دیتے تھے، البتہ الفاظ نہیں بدلتے تھے۔

(۱) یہ کتاب دراصل شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ (۱۱۱۴ھ تا ۱۱۷۶ھ) نے اپنے زمانے کے طلبا کے لیے فارسی زبان میں لکھی تھی۔ (راقم)

تحریف کی اقسام:

تحریف کی دو قسمیں ہیں: (۱) تحریف لفظی (۲) تحریف معنوی

(۱) تحریف لفظی: کسی بھی آسمانی کتاب کے نازل شدہ الفاظ کو بدل کر اپنے من مانی الفاظ بیان کرنا "تحریف لفظی" کہلاتا ہے۔

(۲) تحریف معنوی: کسی بھی آسمانی کتاب کے الفاظ کو اس کے متعین معانی سے ہٹا کر بے جوڑ معانی پر زبردستی محمول کرنا "تحریف معنوی" کہلاتا ہے۔

تحریف معنوی کی مثالیں (۱): چوں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول کے مطابق توریت میں تحریف معنوی واقع ہوئی تھی، نہ کہ تحریف لفظی، اس لیے تحریفِ معنوی کی کچھ مثالیں حسبِ ذیل ہیں:

پہلی مثال: جنت میں داخل ہونے کے حکم کی بنیاد "ایمان" ہے کہ اللہ پر اس کے رسول اور آخرت کے دن پر آدمی کا ایمان ہو تو جنت میں داخل ہوگا، اور اس کے برعکس، ایمان نہ ہو تو جنت میں داخل نہ ہوگا، یہی حکم توریت میں بھی تھا، انجیل میں بھی اور یہی حکم قرآن مجید میں بھی ہے۔ اسی حکم کی یہودیوں نے تحریف کر ڈالی، انہوں نے کہا کہ جو یہودی ہوگا وہی جنت میں داخل ہوگا، اور جو یہودی نہ ہوگا وہ جنت میں داخل نہیں ہوگا۔ یہی تحریف معنوی ہے۔

دوسری مثال: اللہ تعالیٰ نے ہر ملت میں ایسے احکام فرض قرار دیے ہیں جو اس زمانے کے

---

(۱) قرآن کریم نے یہودیوں کی اسی تحریفِ معنوی کا پردہ چاک کیا۔ سورۂ بقرہ: ۸۱ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بَلٰى مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَّ اَحَاطَتْ بِهٖ خَطِيْٓئَتُهٗ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ. (البقرہ: ۸۱)..... اس آیت میں بتا دیا کہ اصل حکم کی بنیاد ایمان ہے، ایمان کی وجہ سے جنت میں داخل ہوگا اور اگر ایمان نہیں ہے اور اس کی زندگی طرح طرح کے گناہوں سے لت پت ہے تو اس کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ (۵ ررمضان ۱۴۳۱ھ پیر بعد نماز فجر)

7

مزاج سے ہم آہنگ ہوں اور اس میں قوم کے اخلاق وعادات کی بھی رعایت کی جاتی ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ ان احکام پر پابندی سے زندگی بھر عمل پیرا رہنے کی تاکید فرماتے ہیں اور ہمیشہ ان احکام کو حرزِ جان بنانے کا حکم دیتے ہیں، اور اس ہمیشگی کا مطلب ہوتا ہے کہ جب تک دوسرے نبی مبعوث نہ ہوں ان ہی احکام پر عمل ضروری ہے۔ یہودیوں نے اب یہاں پر معناً یہ تحریف کر ڈالی کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ ان احکام پر جو عمل کرنے کا حکم دیا ہے اس کا مطلب ہے کہ ہمیشہ یہودیت کو باقی رکھنے کا حکم دیا ہے، اب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی آمد کے بعد بھی یہودیت کو باقی رکھنے کا حکم موجود ہے اس لیے ہم یہودیت ہی کو تھامے رہیں گے(۱)۔

تیسری مثال: اللہ تعالیٰ اپنے احکام پر عمل کرنے والوں کو ہر مذہب وملت میں محبوب بنا لیتے ہیں اور مقرب ومحبوب کا لقب عطا کرتے ہیں اور منکرینِ احکام پر غضب نازل کرتے ہیں اور ان کا لقب ''مغضوب'' رکھتے ہیں۔ مقرب ومغضوب کے لیے ہر زبان میں جو لفظ ہے اسی لفظ کو بولتے ہیں۔ تو یہودیوں میں مقرب ومحبوب لوگوں کے لیے عبرانی زبان میں ''ابن'' اور ''بیٹے'' کا لفظ بولا جاتا تھا، اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کے مقرب ومحبوب لوگوں کو ''ابناء'' کہا۔ یہودیوں نے یہاں تحریف یہ کی کہ احکام کے اطاعت کرنے والوں سے مقرب وابن کا لفظ چھین کر تمام یہودیوں کے لیے اس لفظ کو عام کر دیا اور تحریف معنوی کر کے کہنے لگے کہ تمام یہودی اللہ کے بیٹے ہیں، لہٰذا وہ کچھ بھی کریں جہنم میں نہ جائیں گے۔

---

(۱) حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنی وفات کے وقت اپنے خاندان کو جمع فرما کر جو وصیت فرمائی کہ ایک خدا کی عبادت کرنا اور اس کے ساتھ شرک نہ ٹھہرانا تو اس وصیت کا مطلب تحریفِ معنوی کے ذریعے یہ نکالتے ہیں کہ آپؑ نے یہودیت پر جمے رہنے کی وصیت فرمائی۔ (الفوز الکبیر، ص ۲۸) (۱۹ رمضان پیر، ۱۴۳۱ھ خلیل آباد)

دوسری برائی:

کتمانِ آیات: یہودی اپنے عہدے کی حفاظت، اپنے جاہ کی غرض اور اپنی شہرت کی خاطر توریت کی ان آیتوں کو چھپا لیتے تھے جن پر ان کا عمل نہیں تھا تاکہ لوگ یہ نہ کہہ سکیں کہ توریت کی آیتوں پر خود عمل کرتے نہیں اور ہمیں حکم دیتے ہیں۔

مثالیں:

(۱) توریت میں زانی کی سزا صراحتاً مذکور تھی کہ اسے ''رجم'' (سنگ سار) کرنا ہے، لیکن یہودیوں کے علماء نے طے کر لیا تھا کہ رجم کی جگہ زانی کا چہرہ کالا کر دو اور کوڑے مار کر اسے چھوڑ دو۔ اور رجم والی آیت کو کسی کے سامنے کبھی بھی پڑھ کر نہ سناؤ، اس کو چھپالو۔ ورنہ راز فاش ہو جائے گا۔

آیتِ توریت کے چھپانے کی دوسری مثال: توریت کی آیتوں میں یہ بشارت مذکور تھی کہ اللہ تعالیٰ اسماعیل اور ہاجرہ کی اولاد میں ایک نبی امی مبعوث فرمائیں گے، جس سے ایک ملت وجود پذیر ہوگی۔ جس کا سرزمین حجاز میں خوب چرچا ہوگا۔ عرفات کے میدان اور اس کے پہاڑ حجاج کرام کے تلبیہ سے گونج اٹھیں گے اور دنیا کے چپے چپے سے لوگ حج کرنے آئیں گے۔ یہ بشارت آج بھی توریت میں لکھی ہے۔ لیکن یہودیوں نے توریت کی اس آیت کو چھپا لیا، کسی نے اگر اتفاق سے دیکھ لیا اور مطلب پوچھ لیا تو جھٹ سے تحریف معنوی کے ساتھ بولے۔ اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ بعد میں ایک ملت کا وجود ہوگا، اس ملت کے اتباع کا ہم کو کہاں حکم دیا گیا ہے۔ ہم کو تو اس سے لڑتے رہنے کا حکم ہے اور اس کے لیے یہ جملہ بار بار دہراتے ہیں "مَلْحَمَةٌ" "كُتِبَتْ عَلَيْنَا" ایک جنگ ہم پر لازم قرار دی گئی ہے جو اس ملت کے خلاف ہمیں کرنا ہے(۱)۔ (حاشیہ ص ۳۶ پر)

3

تیسری برائی:

یہودیوں کی تیسری برائی ’’افترا پردازی‘‘ تھی جس کے مندرجہ ذیل اسباب تھے:

(۱) یہودی علماء کے اندر، اسی طرح یہودی عابدوں کے اندر شدت اور سخت گیری کا مرض داخل ہوگیا تھا۔

(۲) شریعتِ موسویہ کی کسی نقلی دلیل کے بغیر یہودی اپنی غرض کے لیے کھینچ تان کر مسائل مستنبط کر لیتے تھے۔

(۳) یہودیوں نے کمزور قسم کے دلائل سے مسائل نکالنا شروع کر دیا تھا جس کو ان کے بعد والوں نے اصلِ توریت سے گمان کیا۔ مثلاً عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کے انکار کے لیے ’’اقوالِ سلف‘‘ کو دلیل بنایا جو نہایت کمزور ہے، اس کو بعد کے لوگوں نے توریت میں شامل کر کے توریت کی دلیل بنا دیا۔

چوتھی برائی:

توریت پر عمل کرنے میں سستی۔ اس کی وجہ ’’نفس کی پیروی (۱)‘‘ تھی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ’’اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌ بِالسُّوْءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیْ‘‘۔ (پ۱۳ / یوسف)

حاشیہ ص ۳۵ کا: (۱) یہودیوں کی یہ فاسد تاویل اور جہالت کو چوں کہ ہر پڑھا لکھا تسلیم نہیں کر سکتا اس لیے انہوں نے اس کے لیے ایک دوسرا طریقہ اپنایا، وہ آپس میں ایک دوسرے کو وصیت کر کے مرتے ہیں کہ اس بات کو مخفی رکھو کہ اللہ نے یہ آیت اتاری ہے اور ہر خاص و عام کے سامنے آیتِ بشارت پڑھ کر مت سناؤ، اس کرتوت کی منظر کشی اللہ تعالیٰ نے قرآن میں اس طرح فرمائی ہے: اَتُحَدِّثُوْنَهُمْ بِمَا فَتَحَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ لِيُحَاجُّوْكُمْ عِنْدَ رَبِّكُمْ. (البقرۃ:۷۶)

(۱) یہود: ’’الاَدْیَان وَ الْفِرَق وَ الْمَذَاهِبُ الْمُعَاصِرَةُ‘‘ (ص/۱۵) پر درج ہے کہ: ..... ’’اَلْيَهُوْدِيَّةُ مَاخُوْذَةٌ مِنَ الْهُوْدِ بِمَعْنَى التَّوْبَةِ‘‘ یعنی یہودیت کا لفظ ’’ہود‘‘ سے بنا ہے، جس کے معنی توبہ کے آتے ہیں اور اس کی دلیل قرآن کریم کی یہ آیت ہے ’’اناھدنا الیک‘‘ یہ موسیٰ علیہ السلام کا قول ہے، جس کے معنی ہیں کہ بیشک ہم (بقیہ ص.........)

یہودی نفس کی پیروی کو چھپا کر دین کے رنگ میں تاویل کر کے اپنی بات کہتے تھے۔

پانچویں برائی:

یہودیوں کی پانچویں برائی خدا اور رسول کی شان میں گستاخی تھی۔ اس کی چند وجہیں تھیں:

(۱) انبیائے کرام کا شادی کے سلسلہ میں مختلف عادتیں رکھنا، کسی کا کم شادی کرنا، کسی کا زیادہ۔ تو اسی کثرتِ ازواج وقلت ازواج کو لے کر، نبی کی شان میں، یہ لوگ گستاخی کرتے۔

(۲) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کا پہلوں سے مختلف ہونا بھی، گستاخی کا سبب تھا۔

(۳) انبیائے کرام کے معاملے میں سنت اللہ کا مختلف ہونا۔

(۴) آپ کی بعثت کا بنی اسماعیل کے خاندان سے ہونا۔

(۵) اور اس طرح کی اور بھی وجوہات تھیں جن کے باعث یہ لوگ شانِ محمدی میں گستاخی کرتے رہتے تھے۔

بقیہ ص............کا: تیری طرف متوجہ ہیں۔۲......: یہود کے ماخذِ اشتقاق کے سلسلے میں یہ ہے کہ "تہوید" سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں "الترجیع بالصوت فی لین وطریب" یعنی نرمی اور گمکیں انداز سے آواز نکالنا۔ یہودی علماء کا حال یہی تھا کہ جب عوام کے سامنے اللہ کی کتاب توریت پڑھتے تو نہایت سریلی آواز میں پڑھتے، تاکہ عوام آواز کی دھن میں مست ہوجائیں اور پتہ نہ لگا سکیں کہ توریت سے پڑھا جارہا ہے، یا اپنی طرف سے توریت میں کچھ ملا کر پڑھا جارہا ہے، اسی معنی کی وجہ سے ان کو یہود کہا جانے لگا۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اسی کا منظر کھینچا ہے "یَلْوُوْنَ اَلْسِنَتَهُمْ بِالْكِتٰبِ لِتَحْسَبُوْهُ مِنَ الْكِتٰبِ وَمَا هُوَ مِنَ الْكِتٰبِ" وہ اپنی زبانیں اس طرح موڑ کر کتاب الٰہی توریت کو پڑھتے ہیں۔۳......: یہود یہوذا سے بنا ہے، یہوذا یوسف علیہ السلام کے ایک بھائی کا نام تھا اسی کی طرف نسبت کرکے یہودی اور یہود کہنے لگے۔۴......: یہود مہاودۃ سے بنایا گیا ہے اس کے معنی مواعدۃ کے آتے ہیں، وعدہ لینا قرآن میں ہے "وَوٰعَدْنَا مُوْسٰی ثَلٰثِیْنَ لَیْلَةً...الخ"۔ (پ۹/۱اعراف)

اسی طرح چھٹی برائی خدا اور سول کی شان میں گستاخی اور ساتویں برائی بخل و حرص کی عادت بھی یہودیوں کو ذلت کے راستے پر ڈال کرہی رہی (۱)۔

نصاریٰ سے جدل

نصاریٰ کو ''عقیدۂ تثلیث'' اور دوسرے عقائد باطلہ سے ہٹا کر صحیح عقائد پر لانا ''جدل'' کہلاتا ہے۔

قرآن کریم میں نصاریٰ سے جدل کی بہت سی آیات ہیں جن سے نصاریٰ کو عقلاً ونقلاً صحیح راہ دکھائی گئی ہے۔

عقیدۂ تثلیث (۱): عقیدۂ تثلیث یہ ہے کہ نصاریٰ اللہ تعالیٰ کو تین اجزا کا مجموعہ مانتے ہیں، جو ایک اعتبار سے متحد اور دوسرے اعتبار سے غیر متحد ہے۔

---

(۱) **اصلاح معاشرہ میں نبوت ورسالت کا کردار:** اس سلسلے میں ضابطہ یہ ہے کہ نبوت ورسالت لوگوں کے نفوس کی اصلاح کے لیے ہوتی ہے، لوگوں کی عبادات سنوارنے اوران کی عادات کو اعتدال پر لانے میں نبوت ورسالت بہت اہم کردار ادا کرتی ہے، یہ سمجھنا غلط ہے کہ نبوت ورسالت ''نیکی'' اور ''گناہ'' کے لیے قانون بناتی ہے، نیکی وگناہ کے قوانین تو خود اللہ تعالیٰ بناتے ہیں۔ بعد ازاں یہ جاننا چاہیے کہ ہر قوم کی عبادت کا طور وطریق الگ الگ ہوتا ہے، تدبیر منزل یعنی ترقی یافتہ تمدن میں خاندانی تعلقات کی نگہداشت؛ اور سیاست مدنیہ یعنی کسی ایک شہر یا ایک ملک کے لوگوں کے باہمی تعلقات کو محفوظ رکھنا، ان دونوں چیزوں میں ہر قوم وملت کی عادات جداگانہ ہوتی ہیں، ان عادات کو، نبوت آکر، بالکل جڑ سے ختم نہیں کرتی کہ ان کی جگہ دوسری عادات وعبادات لازم کردے، بل کہ عادات کے درمیان تمیز اور فرق بیان کرتی ہے، جو عادات صالح اور مرضی مولیٰ کے مطابق ہوتی ہیں، نبوت ان کو باقی رکھتی ہے اور جو مرضی مولیٰ کے مطابق نہیں ہوتیں تو ان میں حسب ضرورت اعتدال پیدا کرتی ہے۔ اسی طرح تذکیر بآلاء اللہ اور تذکیر بایام اللہ کی آیات عربوں کے معروف طرز پر مذکور ہوئی ہیں۔ انبیائے کرام کی شریعتوں میں اختلاف انہیں عادات کے اختلاف کی بنیاد پر واقع ہوا ہے۔

(شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ، الفوز الکبیر، ص:۳۱، ۳۲)

(۲) شاہ ولی اللہ احمد بن عبد الرحیم فاروقی محدث دہلویؒ (۱۱۱۴ھ تا ۱۱۷۶ھ) نے سمجھانے کے لیے فرمایا ہے کہ نصاریٰ کے نزدیک ''باپ'' کی اصطلاح فلاسفہ کے نزدیک ''مبدأ عالم'' کی اصطلاح کے مترادف ہے، (بقیہ ص..........)

وضاحت: خدا کو جن تین اجزا کا مجموعہ مانتے ہیں ان میں سے ایک جز کا نام ''باپ'' ہے۔ دوسرے جز کا نام ''بیٹا'' ہے، اور تیسرے جز کا نام ''روح القدس'' ہے۔

اقانیم ثلاثہ: نصاریٰ ''باپ'' ''بیٹے'' اور ''روح القدس'' تینوں کو ''اقانیم ثلاثہ'' کہتے ہیں۔ اقانیم جمع ہے اُقنوم کی۔ یہ سُریانی زبان کا لفظ ہے جس کے دو معنی آتے ہیں:

(۱) اصل (۲) ذات

عقیدۂ تثلیث میں توحید کا جبری ثبوت:

نصاریٰ اپنے آپ کو ''موحد'' کہتے ہیں، لیکن ان کا عقیدۂ تثلیث ان کے اس قول کی تردید کرتا ہے اس لیے نصاریٰ اپنے کو موحد ثابت کرنے کے لیے جبری ثبوت اس طرح پیش کرتے ہیں کہ ''ابن نے روح عیسیٰ کا لباس پہنا، جیسا کہ حضرت جبرئیل نے انسان کی شکل اختیار کی اسی طرح ''ابن'' نے روحِ عیسیٰ کی شکل اختیار کی۔ اب عیسائیوں کے نزدیک ''اب، ابن اور روح القدس کا مجموعہ'' خدا کہلاتا ہے، اور مجموعہ واحد ہے، اسی لیے یہ ثابت ہو گیا کہ وہ واحد خدا کو مان کر موحد قرار پائے۔ (۱)

بقیہ ص ......کا: فلاسفہ کے نزدیک مبدأ عالم کے معنی اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ ''ابن'' یعنی بیٹے کو سمجھانے کے لیے فلاسفہ کی اصطلاح ''صادر اول'' لائے ہیں، ابن اور ''صادر اول'' دونوں کا درجہ ایک ہے۔ ''صادر اول'' سے مراد فلاسفہ کے نزدیک ''عقل اول'' ہے، فلاسفہ کے نزدیک یہ نظریہ محقق ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عقل اول کو پیدا کیا۔ عقل اول سے ثانی کو، ثانی نے ثالث کو، ثالث نے رابع کو، اسی طرح چلتے چلتے عقل تاسع نے عقل عاشر کو پیدا کیا؛ اب اس وقت عقل عاشر ہی پوری طرح دنیا کا نظام چلا رہی ہے۔ (عقل اول نے پوری کائنات کو بھی پیدا کیا ہے۔) عقل کی تعریف فلاسفہ کے نزدیک یہ ہے: ''عقل ایسا جوہر ہے جو اپنے افعال میں مادی آلات کا محتاج نہیں ہے اور خدا اور اس کی مخلوقات کے درمیان وجود دینے میں ایک واسطہ ہے''۔

(۱) مفتی تقی عثمانی مدظلہ لکھتے ہیں کہ ''عیسائی مذہب میں خدا تین اقانیم (Person) سے مرکب ہے: باپ، بیٹا، اور روح القدس، اسی عقیدے کو ''عقیدۂ تثلیث'' (Trinitarian Doctrine) کہا جاتا ہے۔ (بقیہ ص............)

عقیدۂ تثلیث کی دلیل:

نصاریٰ اپنے عقیدۂ تثلیث کو ثابت کرنے کے لیے جو دلیلیں دیتے تھے ان میں ایک دلیل یہ تھی کہ

(۱) ''مرقس'' نامی انجیل میں، اسی طرح انجیل ''لوقا'' میں عیسیٰ علیہ السلام کے لیے ''ابن'' کا لفظ بولا گیا ہے، انجیل ''یوحنا'' میں بھی ایسا بہت ساری جگہوں پر آیا ہے، جس سے عیسیٰ کا ابن ہونا (جو کہ عقیدۂ تثلیث کا جز ہے) ثابت ہوتا ہے۔

(۲) دوسری دلیل یہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام نے خدائی افعال اپنی طرف منسوب کیا ہے، مثلاً انجیل ''متی'' میں ہے کہ ایک شخص جس کے بدن پر سفید داغ تھے وہ عیسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا، کہنے لگا: ''یَا رَبِّ اِنْ شِئْتَ فَاَنْتَ قَادِرٌ عَلٰی تَطْهِیْرِیْ'' تو عیسیٰ نے کہا: '' قَدْ شِئْتُ فَاطْهُرْ '' میں نے چاہ لیا تو تم پاک ہوجاؤ۔ اتنا کہنا تھا کہ وہ برص سے ٹھیک ہوگیا۔

دلیل کا جواب:

پہلی دلیل کا جواب یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لیے انجیل میں جو لفظ ''ابن'' استعمال ہوا ہے، وہ بیٹے کے معنی میں نہیں ہے، وہ تو ''مقرب اور محبوب'' کے معنی میں ہے، اس کی انجیل میں بھی بہت سی دلیلیں اور قرائن موجود ہیں۔

بقیہ ص......کا: لیکن بجائے خود عقیدے کی تشریح و تعبیر میں عیسائی علما کے بیانات اس قدر مختلف اور متضاد ہیں کہ قطعی طور سے کوئی بات کہنا بہت مشکل ہے۔ وہ تین اقانیم کون ہیں؟ کہتے ہیں کہ ''خدا''، باپ بیٹے اور روح القدس کے مجموعے نام ہے۔ اور بعض کا کہنا ہے کہ باپ، بیٹا اور کنواری مریم، وہ تین اقنوم ہیں جن کا مجموعہ خدا ہے۔

(عیسائیت کیا ہے؟: ص ۱۲)

اور دوسری دلیل کا جواب یہ ہے خدا کے فعل کی نسبت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف حقیقی نہیں ہے بل کہ مجازی ہے، اور یہ مجازی نسبت عام بول چال میں بھی بہت عام ہے، جیسے کہ کوئی کہے: اِنَّا فَتَحْنَا الْبَلَدَ الْفُلَانِیَّ - ہم نے فلاں شہر فتح کر لیا۔ تو اس مثال میں فتح کرنے والی فوج ہے، لیکن فتح کی نسبت اپنی طرف کرنا مجازاً ہے۔

نسبتِ فعل کا دوسرا جواب:

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فعل خدا کی نسبت اپنی طرف کی، اس سے معلوم ہوا کہ عیسیٰ خدا ہیں، اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قلب پر وحی کے الفاظ چھپ گئے تھے، جس میں جو لکھا تھا اسی کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے پڑھ کر سنایا ہے، عالمِ بالا کی طرف سے وحی کے جو بھی الفاظ تھے اور جو نسبت متکلم کے صیغے کے ساتھ تھی اسی کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے پڑھ کر سنائے جس سے ایسا محسوس ہوا کہ عیسیٰ علیہ السلام فعلِ خدا کو اپنی طرف منسوب کر رہے ہیں۔

صحیح عقیدہ

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں صحیح عقیدہ یہ ہے کہ آپ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں، آپ کی پاک روح کو اللہ تعالیٰ نے رحم مریم میں القاء کیا ہے، آپ کی روح القدس حضرت جبرئیل کے ذریعے نصرت فرمائی ہے اور طرح طرح کی عنایتوں سے آپ کا احاطہ کر رکھا ہے۔ یہی مسلمانوں کا عقیدہ، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں ہے۔

خدا اور عیسیٰ کے درمیان اتحاد کا عقیدہ غلط:

عیسائیوں کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے روح بن کر عیسیٰ علیہ السلام کے جسم میں حلول کیا، پھر عیسیٰ اور خدا دونوں متحد ہو گئے۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (۱۱۱۴ھ، ۱۱۷۶ھ) نے اس عقیدے کی تردید کی ہے، اور وہ اس طرح ہے کہ جب خدا تعالیٰ پہلے روح بنے، پھر حضرت عیسیٰ کے جسم میں آئے تو اب روح اور جسم دونوں متحد کیسے ہو سکتے ہیں؟ روح تو بدن کو قائم رکھتی ہے، مُقوّمِ بدن ہے، اس لیے تقویم کا عقیدہ ہونا چاہیے نہ کہ توحید و اتحاد کا۔

عیسائیوں کا نمونہ:

آج بھی بہت ساری جگہوں پر اولیا و مشائخ کی اولاد نے اپنے اولیا و مشائخ کو بالذات "مطاع و مخدوم" مانا ہے، جو عیسائیوں کے حضرت عیسیٰؑ کو خدا ماننے کی طرح ہے، ان ظالموں کے لیے قرآن کہتا ہے: "وَ سَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ"۔ (سورۂ شعراء: ۲۲۷)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سولی دے دی گئی، عیسائیوں کا عقیدہ:

تمام عیسائی یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یہودیوں نے سولی دے دی۔ حالاں کہ یہ عقیدہ بالکل حقیقت کے خلاف ہے، عیسائیوں اور یہودیوں دونوں پر حقیقتِ حال مخفی رہی، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شکل میں ایک شخص کو اللہ تعالیٰ نے بدل دیا، اور حضرت عیسیٰ کو زندہ آسمان پر اٹھا لیا۔ لوگوں کے سامنے حضرت عیسیٰ کی شکل میں بدلا ہوا شخص جب آیا تو یہودی عیسائی دونوں نے اس کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام سمجھا اور سولی دے کر مار ڈالا۔ پھر عیسیٰؑ کے ماننے والوں کا یہ عقیدہ ہو گیا کہ مقتول ہو کر حضرت عیسیٰ

آسمان پر اٹھائے گئے، یہی عقیدہ آگے دوسروں تک بھی منتقل ہوتا رہا۔ آیاتِ جدل میں اللہ تعالیٰ اسی طرح کے عقائد سے پردہ اٹھایا ہے چناں چہ اس عقیدے کی تردید کرتے ہوئے قرآن کریم کہتا ہے: "وَ مَا قَتَلُوْهُ وَ مَا صَلَبُوْهُ وَ لٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ" (نساء:۱۵۷) حالاں کہ انہوں نے، نہ ان کو قتل کیا، نہ ان کو سولی پر چڑھایا لیکن ان کو اشتباہ ہو گیا۔

اعتراض: عیسائیوں کا کہنا ہے کہ انجیل میں حضرت عیسیٰ کا یہ قول باضابطہ مذکور ہے کہ فاسق وظالم یہودی مجھے قتل کریں گے تو اس سے پتہ چلا کہ عیسیٰ قتل کیے گئے ہیں۔

جواب: اگر انجیل میں واقعی یہ قول موجود ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ یہود ظالم قتل کی جرأت کریں گے تو اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ کی حفاظت فرمائیں گے۔

اس پر بھی کوئی کہتا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں نے قتل کی خبر دی ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ ان پر معاملہ مشتبہ ہو گیا تھا، ان کو معلوم نہیں تھا کہ ایسا ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی کو زندہ آسمان پر اٹھا لے۔

فارقلیط (محمدؐ) کی بشارت میں تحریف:

فارقلیط کو انگریزی رسم الخط میں Peroclitus (پروکلی ٹس) لکھتے ہیں، یہ سریانی زبان کا لفظ ہے، اس کے معنی آتے ہیں "ایسا شخص جو اللہ تعالیٰ کی ہر شخص سے زیادہ تعریف کرے" تو اس فارقلیط کا مترادف لفظ عربی میں "احمدؐ" اسم تفضیل کے ساتھ ہوگا۔ انجیل میں صراحت کے ساتھ مذکور تھا کہ فارقلیط آئیں گے، تمہارے درمیان ایک عرصے تک ان کا قیام ہوگا، علم سکھائیں گے، لوگوں کے نفوس کا تزکیہ کریں گے۔ فارقلیط کی یہ صراحت حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر پوری طرح صادق آتی ہے۔ قرآن کریم نے اسے بیان کیا ہے۔

2

تحریف:

لیکن عیسائیوں نے انجیل کے اس بیان کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے وابستہ کردیا، اور فارقلیط سے خود حضرت عیسیٰؑ کو مراد لے لیا، یہی عیسائیوں کی تحریف، اور حضرت عیسیٰ پر انجیل کا بیان صادق بھی نہیں آتا، کیوں کہ روحِ عیسیٰ عیسائیوں کے عقیدے کے مطابق زیادہ دن ان کے درمیان نہیں ٹھہری تھی اور انجیل میں ہے کہ وہ ایک عرصے تک تم میں ٹھہریں گے، تعلیم وتربیت کریں گے، نفوس کا تزکیہ فرمائیں گے، یہ سب باتیں ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر صادق آرہی ہیں کیوں کہ ہمارے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ۶۳ر سال تک دنیا میں رہے۔ اور تعلیم وتربیت اور تزکیہ نفوس فرماتے رہے۔

۳۔علم التذکیر بآلاء اللہ:

علوم خمسہ میں تیسرا علم "علم التذکیر بآلاء اللہ" ہے۔
"علم الاحکام" اور "علم الجدل" کے بعد اب اسی کا بیان آئے گا۔

علم التذکیر بآلاء اللہ:

لغوی معنی: اللہ کی نعمتوں کی یاددہانی کے ذریعے لوگوں کو نصیحت کرنے کا علم "علم التذکیر بآلاء اللہ" کہلاتا ہے۔

اصطلاحی تعریف: علم التذکیر بآلاء اللہ ایسا علم ہے جس میں آسمان وزمین کی تخلیق، بندوں کی ضروریات کی تلقین، اور اللہ تعالیٰ کی صفاتِ کاملہ کے ذریعے بندوں کو نصیحت کی جاتی ہے۔

قدرے تفصیل:

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کو ''نفوس بشریہ'' کی اصلاح کے لیے نازل کیا ہے، جس میں عربی، عجمی، شہری، دیہاتی ہر ایک کی اصلاح مقصود ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت کے پیشِ نظر یہ چاہا کہ وہ آیتیں جو تذکیر بآلاء اللہ'' سے متعلق ہیں ان میں ایسا اسلوب اختیار کیا جائے جو ہر طبقے کے لیے مناسب ہو اور ہر طرح کا ذہن رکھنے والے سمجھ سکیں، اس اسلوب کی آیات میں زیادہ بحث و تحقیق کی ضرورت نہ پڑے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے اسماء وصفات کو عام فہم اور آسان اسلوب میں بیان کیا ہے، اور متوسط درجے کی ذہانت کا خیال رکھا ہے تاکہ اکثر بندگانِ خدا کے سمجھ میں آجائے اور فلسفۂ الٰہیہ اور علمِ کلام کی چنداں ضرورت نہ پڑے۔

ذات وصفاتِ باری کا بیان:

اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کو قرآن کریم میں اجمالی طور پر ثابت کیا ہے، کیوں کہ اللہ کی ذات انسان کی فطرت میں رچی بسی ہے، کوئی بھی انسان ذرا بھی غور کرے تو خدا کو پہچان لے گا، انکار نہیں کرے گا۔

رہی بات صفات کی، تو اللہ تعالیٰ نے چند ''صفات بشریہ کاملہ'' کو منتخب کیا جن کی تعریف آپس میں انسان بھی کرتے رہتے ہیں پھر انہیں ''صفات بشریہ کاملہ'' کو اپنی صفات کو سمجھانے کے لیے، اپنی صفات کے لیے استعمال کیا، تاکہ انسان اللہ تعالیٰ کی صفات کو کچھ کچھ سمجھ جائے، ورنہ صفاتِ باری تعالیٰ کو ''تحقیق وامعان'' کے طریقے پر سمجھنا انتہائی مشکل ہے بل کہ محال ہے، اور بندوں کو خدا کی رُبوبیت کا جاننا بھی ضروری ہے، اس لیے انسانی صفات کاملہ کو لے کر خدا نے بندوں کو اپنی صفات کے قریب کیا ہے، ورنہ اللہ کی

3

ذات وصفات کی طرح دنیا کی کوئی بھی شی نہیں ہے، قرآن میں اعلان ہے "لَیْسَ کَمِثْلِهٖ شَيْءٌ" اسی لیے انسانی صفات کو خدا کے لیے ثابت کرنا باطل عقیدہ اور گناہ ہے، کوئی انسان کی طرح خدا کو بھی صاحبِ اولاد مانے تو یہ بالکل باطل ہے۔

صفاتِ باری توقیفی ہیں:

تمام صفاتِ باری تعالیٰ توقیفی ہیں، یعنی جن صفات کو اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے استعمال فرمایا ہے، اور قرآن وحدیث میں انہیں واقف کرادیا گیا ہے، ان کو بعینہ اللہ تعالیٰ کے لیے استعمال کرنا جائز ہے، امام ترمذیؒ، سفیان ثوریؒ مالک بن انسؒ اور ابن عیینہؒ کا یہی قول ہے، دوسرے الفاظ جو صفاتِ باری کو بتلاتے ہیں ان کو خدا کے لیے استعمال نہ کرے جب تک کہ ان کا استعمال خود قرآن وحدیث میں کہیں دیکھ نہ لے۔

نعمتِ خداوندی اور قدرتِ الٰہی سے متعلق آیات:

قرآن کریم کی آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنی بے شمار نعمتوں اور واقعاتِ قدرت کو بیان کیا ہے، لیکن انہیں واقعات ونعمتوں کو بیان کیا ہے جنہیں شہری، دیہاتی، عربی، عجمی اور متوسط ذہن رکھنے والے تمام لوگ سمجھ سکیں، ان نعمتوں کا تذکرہ نہیں کیا ہے جنہیں صرف علماء واولیائے کرام ہی سمجھ پائیں، اور نہ ہی صرف بادشاہوں تک محدود ومخصوص نعمتوں کا ذکر کیا ہے۔

مثالیں: اللہ تعالیٰ نے "تذکیر بآلاء اللہ" سے متعلق آیات میں بے شمار مقامات پر آسمان وزمین کی پیدائش کا ذکر کیا ہے، آسمان وزمین ہر جگہ موجود ہیں، ہر عام خاص سمجھ سکتا ہے کہ آسمان کو بغیر ستون کے پیدا کرنا کتنی بڑی قدرت ہے، آسمان میں اب تک کوئی پھٹن یا شگاف نہیں، زمین پر چلنا، پھرنا، زراعت وکاشت کاری پھر زمین کے اندر بے شمار

خزانے ودفینے ان سے ہر خاص وعام خدا کی قدرت کا اندازہ لگا سکتا ہے۔

بادل (۱) سے بارش برسانا، زمین سے چشمے بہانا، پھل فروٹ غلہ جات اور پھول پھلواریاں پیدا کرنا،صنعت وحرفت کے طریقے دلوں میں ڈالنا اور پھر اسی کے مطابق عمل کر کے دکھانا: یہ سب مثالیں خدا کی قدرت ونعمت کی ایسی ہیں جنہیں ہر عالم وجاہل جان سکتا ہے۔(۱)

---

(۱) قرآن کریم میں ہے: " ءَ اَنْتُمْ اَنْزَلْتُمُوْهُ مِنَ الْمُزْنِ اَمْ نَحْنُ الْمُنْزِلُوْنَ " (واقعہ:۵۶/۶۹، ۵۳۷) کیا تم نے بادل سے پانی اتارا یا ہم اتارنے والے ہیں۔ اس آیت سے پتہ چلتا ہے کہ بارش بادل سے ہوتی ہے۔ دوسری آیت میں ہے " هُوَ الَّذِيْ اَرْسَلَ الرِّيٰحَ بُشْرًا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ، وَ اَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً طَهُوْرًا " (الفرقان:۲۵/۴۸، ۳۶۵) اور خدا وہی ہے جس نے ہوا کو بھیجا خوش خبری کے لیے اپنی رحمت سے پہلے، اور آسمان سے پاک پانی اتارا۔ اس آیت سے پتہ چلتا ہے کہ بارش آسمان سے ہوتی ہے،مطلب یہ ہے کہ خدا کی قدرت سے بارش آسمان سے بھی ہوتی ہے، بادل سے بھی ہوتی ہے۔ اور یہ جو کہا جاتا ہے کہ بارش کی اصل مان سون ہے تو خدا کی قدرت سے یہ بھی ایک سبب بارش کے لیے ہو سکتا ہے۔ اسی لیے مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات میں ہے کہ " ہاں تقریب الی الفہم کے لیے کہا جا سکتا ہے کہ جیسے آج تک یہ مانا جاتا تھا کہ بارش کا مادہ زمین کے بخارات ہیں، جو جَو کی سردی سے منجمد ہو کر ٹپک پڑتے ہیں، لیکن اب مانا جانے لگا کہ زمین کے بخارات نہیں بلکہ سمندر کے بخارات ہیں جو خاص وقت میں پیدا ہو کر اطراف عالم میں پھیلتے اور پانی بنتے ہیں جن کو مانسون کہتے ہیں تو بعد قطع وسائط یہ کہا جا سکتا ہے کہ بارش کا منبع سمندر ہے، تو تو بتایئے! سمندر سے بادلوں میں کون سا نل لگا ہوا ہے، اور کون سی مشین اتنا پانی کھینچتی ہے، اور وہ نل اور وہ مشین کسی سیاح اور جغرافیہ داں نے یا کسی ہوا باز نے بھی نہیں دیکھی ہے، سوائے اس کے کچھ نہیں کہا جا سکتا ہے کہ قدرتِ خدا سے ایسا ہوا۔ (ملفوظات:۲۷،۲۸ص ۲۲۳تا۲۲۵ بحوالہ الافتتاحات المفیدۃ - از حکیم فخر الاسلام الہ آبادی)

علم التذکیر بایام اللہ:

''علوم خمسہ'' جو قرآن کریم میں بیان کیے گیے ہیں ان میں سے چوتھا علم ''علم التذکیر بایام اللہ'' ہے۔

لغوی تعریف: اللہ کے ایام (اور ایام میں واقع ہونے والے حادثات و واقعات) کے ذریعے بندوں کو نصیحت کرنے کا علم ''علم التذکیر بایام اللہ'' کہلاتا ہے۔

اصطلاحی تعریف: ''علم التذکیر بایام اللہ'' ایسا علم ہے جس میں ان واقعات و حادثات کے ذریعے بندوں کو نصیحت کی جاتی ہے جو اطاعت گزار بندوں کو انعام دینے اور نافرمان بندوں کو سزا دینے کے متعلق اللہ تعالیٰ وجود میں لاتے ہیں۔

قدرے تفصیل:

اللہ تعالیٰ نے ''علم التذکیر بایام اللہ'' سے متعلق آیات میں ان واقعات و حادثات کا ذکر کیا ہے جو اہل مکہ اور عربوں میں کافی مشہور اور منقول چلے آرہے تھے، معذب قوموں میں قومِ عاد و قومِ ثمود وغیرہ کا ذکر فرمایا ہے، اس لیے کہ ان کے قصے باشندگانِ مکہ و اطراف میں بہت مشہور تھے۔

انعام یافتہ لوگوں میں بنی اسرائیل کے نبیوں کا ذکر فرمایا ہے، حضرت ابرہیم، حضرت اسماعیل اور اسحاق علیہم السلام وغیرہ انبیائے کرام کے قصے بیان فرمائے ہیں کیوں کہ عرب ان کے حالات واقوال سے یہودیوں کے ساتھ بود و ماند کی وجہ سے مانوس تھے، ان قصوں کا ذکر نہیں کیا جن سے اُنس بالکل نہیں تھا، جیسے فارس کی جنگیں، رستم، اسکندر اور دارا کے واقعات، ہندوستان کی لڑائی، مہابھارت کے حالات وغیرہ۔

قرآنی قصوں کا مقصد:

اللہ تعالیٰ نے تمام مانوس ومشہور قصوں میں سے صرف ان اجزا کو لے لیا ہے جو پند ونصیحت کے لیے اہم کردار ادا کرنے والے اور دلوں کو مالکِ حقیقی کو ماننے کی طرف موڑنے والے تھے۔

پورے قصے کو از اول تا آخر اس کی تمام چھوٹی بڑی تفصیلات وخصوصیات کے ساتھ نہیں بیان کیا کیوں کہ اس میں حکمت یہ تھی کہ لوگ انوکھے اور حیرت انگیز قصوں کو جب سنتے ہیں تو اس کی تمام جزوی تفصیلات کے جاننے کی خواہش کرتے ہیں، اور پوری طرح اصل قصے ہی کی طرف مائل ہو جاتے ہیں اور قصے کا جو مقصود ہے وہ فوت ہو جاتا ہے، اور قصے کا مقصود ''نصیحت حاصل کرنا'' ہوتا ہے۔

بعض عارفین کا قول:

اسی لیے بعض عارفین فرماتے ہیں کہ (ا) لوگوں نے جب ''قواعدِ تجوید'' کو ان کی تمام جزوی تفصیلات اور اقوال واعتراضات کے ساتھ یاد کرنا شروع کر دیا تو تلاوت کا خشوع اور گریہ وزاری کھو بیٹھے۔ (۲) اسی طرح مفسرین نے جب قرآن کی تفسیر میں لمبی چوڑی تقریروں، طول طویل کلام اور اصلِ تفسیر سے ہٹی ہوئی دور از کار بحثوں کو چھیڑنا شروع کر دیا تو اصل علم تفسیر معدوم ہو گیا اور پتہ نہیں چلا کہ کس آیت کی، کیا تفسیر ہوئی؟

حسب ذیل قصے قرآن میں مکرر آئے ہیں:

(ا) حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کا قصہ:

آپ کو مٹی سے بنایا، فرشتوں کو سجدے کا حکم دیا، تمام فرشتوں نے سجدہ کیا، ابلیس کو بھی سجدۂ آدم کا حکم ہوا، لیکن اس نے غرور میں آ کر آدم کا سجدہ نہ کیا، جس کے سبب مردود

ومعتوب ہوا، پھر خدا سے لمبی عمر کی دعا مانگی اور اولادِ آدم کو قیامت تک گمراہ کرنے کا عزم ظاہر کیا، اس قصے کے مختلف اجزا کو اللہ تعالیٰ نے حسبِ مقام اور حسبِ تقاضا مختلف اسلوب و انداز میں، پند و نصائح کے لیے قرآن میں مکرر ذکر فرمایا ہے۔

(۲) حضرت نوح، حضرت ہود، حضرت صالح، حضرت ابراہیم، حضرت لوط اور حضرت شعیب علیہم السلام کے قصے:

ان کا قوم سے مباحثہ ہوا، نبیوں نے اللہ کی توحید کی دعوت دی، صنم پرستی اور بت گری سے روکا، اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دیا، قوم پھر بھی اڑی رہی، ضد میں ایمان نہ لائی، طرح طرح کے کمزور قسم کے شبہات نکالے، انبیا نے ان کے جوابات دیے، اس پر بھی ہٹ دھری کی وجہ سے ایمان قبول نہ کیا، تو پکڑ آئی خدا کی پکڑ، قوم گرفتارِ عذاب ہوئی، اللہ نے اپنے بندوں کی مدد فرمائی، انبیاء کی نصرت فرمائی اور متبعین کو انعامات سے نوازا۔

(۳) موسیٰ علیہ السلام کا قصہ:

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ بھی قرآن میں بار بار آیا ہے، اللہ تعالیٰ نے از ابتدا تا انتہا قصہ نہیں بیان کیا ہے، بل کہ قصے کے موثر اجزا کو لے کر مختلف جگہوں پر مختلف مقاصد سے البیلے اور نادر انداز میں بیان فرمایا ہے۔

کہیں موسیٰ علیہ السلام فرعون اور اس کے وزیروں کے ساتھ محوِ بحث ہیں کہیں، بنی اسرائیل کے نادانوں کو سمجھا رہے ہیں، تو کہیں ان ناعاقبت اندیشوں کو عقابِ خداوندی سے ڈرا رہے ہیں۔ اسی طرح کہیں صاف نصرتِ الٰہی کی جلوہ سامانی دکھائی دے رہی ہے، تو کہیں حضرت موسیٰ اپنے رب سے محوِ مناجات ہیں۔

(۴) داؤد و سلیمان کے قصے:

قرآن کریم میں کئی جگہ پر حضرت داؤد و سلیمان علیہما السلام کے قصے آئے ہیں: کہیں ان حضرات کی خلافت کا قصہ مذکور ہے، کہیں ان کے مقدمات فیصل کرنے کا واقعہ ،اسی طرح کہیں لوہے کا نرم پڑنا، زرہ بنانا، تانبے کا چشمہ، سلیمان کے لیے جنات، ہوا کا مسخر ہونا وغیرہ۔

(۵) ایوب و یونس کے قصے:

بار بار کئی مقامات پر قرآن میں آپ حضرت ایوب اور حضرت یونس علیہما السلام کا ذکر بھی پڑھیں گے، ایوب علیہ السلام کی آزمائش، ان کا صبر، ان کی اہلیہ کی خدمت، قسم نہ توڑنے کا طریقہ، ٹھنڈے پانی میں غسل، بیماری سے نجات، کنبہ اور مثل کنبہ کا ملنا، شکرگزاری۔ حضرت یونس علیہ السلام کا قوم سے محو تبلیغ ہونا، انکار قوم بستی سے ہجرت، کشتی میں سفر، قرعہ اندازی میں شرکت نتیجتاً شکم ماہی میں، پھر مچھلی کے پیٹ سے باہر خالی میدان میں، پھر صحت و عافیت کے ساتھ قوم میں باعزت واپسی اور اپنے فریضہ تبلیغ میں مکمل کامیابی۔

(۶) زکریا علیہ السلام کا قصہ:

حضرت زکریا علیہ السلام کا تذکرہ بھی قرآن میں بار بار آیا ہے، حضرت مریمؑ کے پاس بے موسم پھل فروٹ کی بہتات دیکھنا، پھر خدا سے دعا کرنا، خدا کا دعا قبول کرنا وغیرہ۔

(۷) عیسیٰ علیہ السلام کا قصہ:

حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نبی بن کر آئے تھے، آپ کو اللہ تعالیٰ نے زندہ آسمان پر اٹھالیا ہے، قیامت کے قریب دجال کو قتل

کرنے کے لیے آسمان سے اتریں گے اور ۴۰ سال دنیا میں رہ کر، ازدواجی زندگی گزار کر، اولاد والے بن کر وفات پائیں گے، مدینہ میں روضۂ اقدس میں دفن ہوں گے اور میدانِ محشر میں ہمارے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ابوبکرؓ و عمرؓ کی ہمراہی میں محشر کے میدان میں تشریف لائیں گے۔ آپ کا قصہ بھی قرآن کریم میں متعدد بار آیا ہے، آپ کی پیدائش بغیر باپ کے ہوئی، گہوارے ہی میں آپ نے گفتگو کی، آپ کے ہاتھ پر قسم قسم کے خوارق ظاہر ہوئے۔ آپؑ کے قصے اجمال و تفصیل کے ساتھ سورتوں کے مختلف اسلوب پر قرآن کریم میں مکرر مذکور ہوئے ہیں۔

صرف ایک یا دو بار آنے والے قصے:

وہ قرآنی قصے جو قرآن کریم میں صرف ایک بار یا دو بار آئے ہیں وہ حسب ذیل ہیں:

(۱) حضرت ادریس علیہ السلام کا قصہ، آپ کو شرف نبوت سے نوازا جانا قرآن کریم میں مذکور ہے۔ (ابن کثیر)

(۲) حضرت ابراہیم علیہ السلام نے نمرود سے توحید کے عنوان پر بات کی، قرآن کریم میں صرف ایک جگہ ہے۔

اسی طرح پرندوں کے زندہ کرنے کا مشاہدہ کرنا۔

اسی طرح اپنے اکلوتے فرزند حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ذبح کرنا۔

(۳) حضرت یوسف علیہ السلام کی عفت و امانت، اور سیاست و ذکاوت کا قصہ۔

(۴) حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ولادت، آپ کا دریائے نیل میں ڈالا جانا، قبطی کو قتل کرنا، مدین جانا، وہاں شادی کرنا، آگ کو درخت پر دیکھنا، اور وہیں کلامِ خداوندی کو ہر سمت سے سننا۔

(۵) حضرت موسیٰ وخضرؑ کی ملاقات۔

(۶) طالوت وجالوت کا قصہ بھی قرآن میں ایک ہی بار ہے۔

(۷) ملکۂ سبا بلقیس کا قصہ۔

(۸) ذوالقرنین کا واقعہ۔

(۹) اصحابِ کہف کا قصہ۔

(۱۰) دو آدمیوں کا قصہ جو آپس میں بات کر رہے ہیں، ایک آخرت کا منکر ہے۔

(۱۱) باغ والوں کا قصہ۔

(۱۲) تین پیغمبروں کا قصہ جن کو حضرت عیسیٰ نے اپنا نائب بنا کر بھیجا تھا۔

(۱۳) اس مومن کا قصہ جس کو کافروں نے شہید کر دیا۔

(۱۴) اصحاب فیل کا قصہ

(۱۵) اصحاب الاخدود کا قصہ۔

خلاصہ: قرآن کریم کے ان تمام قصوں کو بیان کرنے کا مقصد یہ نہیں ہے کہ آدمی ان قصوں کو جان لے اور بس۔ بل کہ ان کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ

☆ قارئین شرک وکفر سے بیزار ہوں۔

☆ معاصی سے توبہ کریں۔

☆ اللہ کے عقاب سے ڈریں۔

☆ خدا کی نصرت پر یقین رکھیں۔

☆ مخلص بندوں کے حق میں انعاماتِ خداوندی کے ظہور پر اطمینان ویقین رکھنا۔

7

علم التذکیر بالموت وبعد الموت

''علومِ خمسہ'' میں سے پانچواں علم ''علم التذکیر بالموت وبعد الموت'' ہے، جس کی تفصیل حسبِ ذیل ہے:

لغوی تعریف: موت اور موت کے بعد کے حالات بیان کرنے کے ذریعہ نصیحت کرنے کا علم۔

اصطلاحی تعریف: ''علم التذکیر بالموت وبعد الموت'' ایسے علم کا نام ہے جس میں مرنے کے حالات اور مرنے کے بعد پیش آنے والے حالات کے بیان سے خدا کے بندوں کو نصیحت کر کے توحید رسالت اور آخرت پر ایمان لانے کی دعوت پیش کی جاتی ہے۔

کچھ تفصیلی بات:

اللہ تعالیٰ نے قرآن کی بے شمار آیتوں میں ''علم التذکیر بالموت ومابعدہ'' کا ذکر فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ذکر کیا ہے کہ انسان کی کیفیت موت کے وقت دگرگوں ہو جاتی ہے، اپنے ہر کام سے انسان بالکل بے بس دکھائی دیتا ہے۔ موت واقع ہونے کے بعد جنت وجہنم کا منظر سامنے لایا جاتا ہے، عذاب کے فرشتے دکھائی دینے لگتے ہیں۔ ان سب کا ذکر قرآنی آیات میں ملتا ہے۔ اسی طرح زندگی میں علامت قیامت کا ظہور بھی ہوگا جس سے تذکیر مقصود ہوتی ہے۔

قیامت کی علامتوں میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قربِ قیامت آسمان سے نزول ہے، دجال بھی نکلے گا جس کو عیسیٰ علیہ السلام قتل کریں گے، دابۃ الارض کا نکلنا، یاجوج ماجوج کا خروج، بے ہوشی کا صور پھونکنا، میدانِ محشر میں جمع ہونے کے لیے قبروں سے نکلنا، سوال وجواب، میزانِ عمل، اعمال ناموں کا دائیں یا بائیں ہاتھ میں ملنا، اہلِ ایمان کا

جنت میں داخلہ، کافر ومنافق کا دوزخ میں جانا، پھر اہل دوزخ کا آپس میں دوزخ میں مخاصمہ ومباحثہ، ایک دوسرے کولعن طعن، ان تمام باتوں سے متعلق آیتوں میں ''علم التذکیر بالموت وبعد الموت'' کا بیان ہوتا ہے۔

اسی طرح اہلِ ایمان کو بالخصوص دیدارِ خداوندی سے شرف یاب ہونا، طرح طرح کی جنت کی نعمتیں پانا، حور وقصور سے لطف اندوزی، دودھ وشہد کی نہروں سے فیض یابی، نرم ونازک، موٹے اور باریک ریشمی لباس میں ملبوس جنت کی عورتوں سے لذت اندوزی اور فرحت بخش جنتی محفل، اور انواع واقسام کے لذیذ ترین سوکھے اور گیلے میووں کا بے بدل مزہ!

اللہ تعالیٰ ہم سب کو مرحمت فرمائے آمین۔ جن آیات میں اس کے تذکرے ہوں وہ آیات ''علم التذکیر بالموت وبعد الموت'' پر مشتمل کہلاتی ہیں۔

3

دوسرا باب:

نظمِ قرآنی کا بیان

اس باب میں نظمِ قرآنی یعنی قرآن کی عبارت سے سمجھے جانے والے معانی کا بیان آئے گا، اور وہ اس حیثیت سے ہوگا کہ معانیٔ قرآن عصرِ حاضر کے لوگوں کی طرف نسبت کرتے ہوئے کیوں سمجھ میں نہیں آتے؟ اور کیسے سمجھ میں آئیں گے؟ جس کا خلاصہ یہ ہوگا کہ اس باب میں دو باتیں بیان ہوں گی:

(۱) معنیٔ قرآن کے اسبابِ پوشیدگی۔ (۲) ازالۂ پوشیدگی۔

اسبابِ پوشیدگی:

معانیٔ قرآن کے پوشیدہ رہ جانے اور عصرِ حاضر کے لوگوں کو سمجھ میں نہ آنے کے اسباب بنیادی طور پر پانچ ہیں:

(۱) الفاظِ غریبہ کا قرآن میں استعمال

(۲) ناسخ ومنسوخ آیات کی عدمِ اطلاع

(۳) شانِ نزول کی عدمِ واقفیت

(۴) حذفِ مضاف وموصوف، ابدال، انتشارِ ضمائر، اختصار، ایجاز اور تکرار وغیرہ

(۵) تعریض، مجاز، کنایہ اور متشابہ اور محکم کا استعمال

ان پانچوں اسبابِ خفا کو ہم پانچ فصلوں میں بیان کریں گے۔

(ان شاء اللہ)

پہلی فصل	:	شرح غریب القرآن کے بیان میں
دوسری فصل	:	ناسخ ومنسوخ کے بیان میں
تیسری فصل	:	شانِ نزول کے بیان میں
چوتھی فصل	:	حذف، ایجاز واطناب، ابدال وتکرار وغیرہ کے بیان میں
پانچویں فصل	:	کنایہ اور مجازِ عقلی وغیرہ کے بیان میں (۱)

---

(۱) یہاں یہ بات جان لینا از حد ضروری ہے کہ یہ قرآن کریم جو خالص عربی زبان میں اترا ہے اسے عربوں نے اپنے فطری عربی ذوق وسلیقے کی بنیاد پر کماحقہٗ سمجھ لیا تھا۔ اور خداوند قدوس کا منشا بھی یہ تھا کہ لوگ قرآنی متشابہات، خداوندی صفات، ابہامِ قرآنی، اور تفصیلی قصوں کی کھوج میں نہ پھنس کر توحید ورسالت اور آخرت کے متعلق آیتوں کو اچھی طرح سمجھیں اور ان پر ایمان لائیں، اسی لیے صحابہ منشائے خداوندی کے بموجب متشابہات وغیرہ آیات سے متعلق نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم سے استفسار بھی نہ کرتے تھے۔ لیکن جب صحابۂ کرام کا یہ طبقہ دنیا سے رخصت ہوا، تو تابعین اور اتباعِ تابعین نے فہم قرآنی اور تفسیر قرآنی کا علمی وعملی بیڑہ اٹھایا جس میں ارشاد نبوی: "خَیْرُ الْقُرُوْنِ قَرْنِیْ ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَهُمْ ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَهُمْ" کے مطابق وہ کامیاب بھی رہے، البتہ یہ بات یقین کی حد تک صحیح رہی کہ اب عجم کا دخل ہوا اور بلا واسطہ عربی زبان سمجھنا مشکل ہو گیا، لغت، نحو اور صرف کی فہم معانی میں شدت سے ضرورت محسوس ہوئی، لوگوں کے پاس اس سلسلہ میں آمد ورفت بڑھی سوال وجواب کا سلسلہ قائم ہوا ان مضامین پر کتابیں لکھی گئیں، اور قرآن کی مراد کو کھولنے میں جن اسباب کی ضرورت پڑی ان کا احاطہ کیا گیا، صعوبت کے اسباب پر نگاہ ڈالی گئی تو علماء کرام نے بہت سارے اسباب بتلائے، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (۱۱۱۴ھ، ۱۱۷۶ھ) نے اپنی اصلا فارسی میں لکھی ہوئی اصولِ تفسیر کی کتاب الفوز الکبیر فی اصول التفسیر میں اس کے دس اسباب بتائے جنہیں اختصار کرکے متن میں ہم نے اسی طرح ۵ فصلوں میں بیان کرنے کی کوشش کی ہے۔ (از راقم: مستفاد الفوز الکبیر: ص ۴۸)

پہلی فصل:

شرح غریب القرآن کے بیان میں

غریب القرآن:

لغوی معنی: قرآنِ کریم میں کم استعمال ہونے والے نادر الفاظ غریب القرآن کہلاتے ہیں۔

اصطلاحی تعریف: قرآنِ کریم میں عربی کے وہ قلیل الاستعمال نادر و انوکھے الفاظ غریب القرآن کہلاتے ہیں جن کی تفسیر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی اور صحیح سندوں سے ہم تک پہونچی۔

علامہ زرکشی رحمۃ اللہ نے فرمایا ہے کہ جس نے غریب القرآن کی معرفت حاصل نہ کی ہو اس کے لیے کتاب اللہ پر اقدام کرنا حلال نہیں۔ حافظ بیہقیؒ نے حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً نقل کیا ہے کہ ''اعربوا القرآن والتمسوا غرائبہ'' اس موضوع پر ابوعبیدہؒ، ابوعمر والزاہدؒ، اور ابن دریدؒ کی مستقل کتابیں ہیں۔

شرحِ غریب القرآن میں معتبر سندیں

علامہ عبدالرحمٰن بن ابی بکر جلال الدین سیوطیؒ (۸۴۹ھ-۹۱۱ھ) نے اپنی تفسیر کا ایک مقدمہ لکھا جو بڑا قیمتی اور معلومات افزا تھا، اسی مقدمے کو علامہ سیوطیؒ نے افادۂ عام و خاص کے لیے علیحدہ چھاپ دیا اور اس کا نام رکھا ''الاتقان فی علوم القرآن''۔

اسی کتاب ''اتقان فی علوم القرآن'' میں علامہ سیوطیؒ نے ۳ سندیں ذکر کی ہیں۔ یہ تینوں سندیں غریب القرآن کی شرح میں سب سے اونچا مقام رکھتی ہیں۔

پہلی سند: عن أبي طلحة سالم بن المخارق الهاشمي عن عبدالله بن عباس.

غریب القرآن کی شرح میں یہ سب سے ''اعلیٰ'' اور ''احسن'' سند ہے۔

محمد بن اسماعیل ابوعبداللہ جو عام وخاص میں امام بخاریؒ (۱۹۴ھ ۲۵۶ھ) کے نام سے مشہور ہیں۔ انہوں نے صحیح بخاری میں اکثر وبیشتر اسی سند کو غریب القرآن کی شرح میں استعمال کیا ہے۔

دوسری سند: عن ضحاک (۱۰۵ھ) بن مزاحم الهلالي البلخي عن عبد الله بن عباس۔

تیسری سند: عن نافع بن الأزرق عن ابن عباس.

یہ تینوں سندیں معتبر ہیں پہلا درجہ پہلی سند کا ہے، دوسرا درجہ دوسری سند کا، اور تیسرا درجہ تیسری سند کا۔

دوسری دو سندیں اور ہیں جن کا نمبر چوتھا اور پانچواں ہے۔

چوتھی سند: امام بخاریؒ نے ''قتادہ'' ''مجاہد'' اور حسن بصری'' وغیرہ ائمہ تفسیر سے جو شرح غریب القرآن کی نقل کی وہ بھی معتبر ہے۔

پانچویں سند: دیگر ائمہ تفسیر نے صحابہ، تابعین اور تبع تابعین سے جو کچھ بھی شرح غریب القرآن کے متعلق نقل کیا ہے، اس کا پانچواں درجہ ہے۔

خلاصہ: شرح غریب القرآن کے متعلق بالترتیب کل پانچ سندیں معتبر ہیں:

(۱) عن علی بن أبی طلحه عن ابن عباس

(۲) عن ضحاک عن ابن عباس

(۳) عن نافع بن الأزرق عن عباس

(۴) عن البخاری عن قتاده أو مجاهد أو الحسن البصری

(۵) الأئمة الاخرون عن الصحابة والتابعین

ایک غلطی کا ازالہ:

منطقی اصطلاح کے مطابق لفظ کی اپنے معنی پر تین طرح کی دلالتیں ہوتی ہیں:

(۱) مطابقی (۲) تضمنی (۳) التزامی

قدیم مفسرین کبھی کبھی التزامی معنی کے اعتبار سے قرآن کریم کی تفسیر کرتے ہیں جو بالکل برحق ہوتی ہے۔

اب جدید مفسرین التزامی معنی نہ جاننے کی وجہ سے غلطی میں پڑ جاتے ہیں اور قدیم مفسرین کی تفسیروں کی تغلیط کرنے لگتے ہیں۔ حالاں کہ غلطی ان جدید مفسرین کی ہوتی ہے کہ خود التزامی معنی سے واقف نہیں اور اس کو کسی لغت میں پاتے نہیں تو قدیم مفسرین کو ہی غلط کہنے لگتے ہیں۔ (شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ)

دوسری فصل:

ناسخ ومنسوخ کے بیان میں

علم تفسیر میں ''ناسخ ومنسوخ'' کی بحث بڑی اہم اور معرکۃ الآرا مانی جاتی ہے، یہودی تو نسخ مانتے ہی نہیں وہ کہتے ہیں کہ ''نسخ'' ایک عیب اور غلطی ہے، جو خدا کے احکام میں نہیں ہوسکتی، جس کو اصطلاح میں ''بداء'' کہا جاتا ہے یعنی پہلے ایک حکم دینا پھر غلطی ظاہر ہونے پر اس حکم کو واپس لینا ''بداء'' کہلاتا ہے۔

معتزلہ میں ابو مسلم اصفہانی بھی نسخ کو ایک عیب مانتے ہیں، اس لیے قرآن کریم میں عیب والی چیز کو واقع ہونا نہیں تسلیم کرتے۔ اسی طرح متقدمین علمائے سلف اور متأخرین میں بھی نسخ کے سلسلے میں اختلاف ہے، جس کی وجہ سے یہ بحث اہم ہے۔

متقدمین علمائے تفسیر کے یہاں ''نسخ'' کی تعریف الگ ہے اور متاخرین کے نزدیک الگ۔ ان کی الگ الگ تعریفات جان لینے سے یہ سمجھنا آسان ہوجائے گا۔

متقدمین کے نزدیک نسخ:

لغوی تعریف: نسخ کے لغوی معنی، ہٹانا، زائل کرنا۔

اصطلاحی تعریف: متقدمین کے نزدیک نسخ کی اصطلاحی تعریف وہی ہے جو لغوی تعریف ہے، یعنی کسی شی کو ہٹانا، زائل کرنا اور اس کی جگہ پر دوسری چیز رکھ دینا۔ عربی میں مختصراً کہہ سکتے ہیں "اِزَالَةُ شَیْءٍ بِشَیْءٍ"۔

تشریح: شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ (۱۱۱۴ھ۔۱۱۷۶ھ) نے فرمایا ہے کہ ہمیں صحابہ کرامؓ اور تابعین عظامؒ کی تمام بحثوں کو پڑھنے کے بعد یہی پتہ چلتا ہے کہ متقدمین کے

1

نزدیک ''نسخ'' کی اصطلاحی تعریف کوئی الگ نہیں ہے، جو لغوی تعریف ہے وہی اصطلاحی تعریف بھی ہے۔ البتہ متاخرین نے نسخ کی لغوی واصطلاحی تعریف میں فرق کیا ہے۔

مثالیں: متقدمین نے لغوی معنیٰ 'ازالہ' ہی کو اصطلاحی معنیٰ میں استعمال کیا ہے اس کی نیچے ۶ مثالیں آرہی ہیں:

(۱) کسی شرعی عمل کی مدت ختم ہونے کو بیان کرنا نسخ ہے، کیوں کہ یہاں ''ازالہ'' پایا جاتا ہے۔

(۲) ''کلام'' کا فوراً سمجھ میں آنے والے معنیٰ سے پھیرنا اور دیر میں سمجھ میں آنے والے معنیٰ کو مراد لینا۔ متقدمین کے نزدیک یہ بھی نسخ ہے کہ یہاں 'ہٹانا اور ازالہ'' پایا جارہا ہے۔

(۳) صفت موصوف میں صفت کی قید کو 'اتفاقی' بتانا بھی نسخ ہے، مثلاً رقبة مومنة میں مومنة کو قید اتفاقی بتانا نسخ ہے، اس لیے کہ صفت احتراز کے لیے لائی جاتی ہے، احتراز سے ہٹا کر اتفاق کی طرف لانا نسخ ہے۔

(۴) عام کو خاص کرنا۔ متقدمین کے نزدیک یہ بھی نسخ ہے کیوں کہ عام کے معنیٰ کو ہٹادیا اور خاص کر کے معنیٰ کم کردیا۔

(۵) مقیس اور مقیس علیہ میں فرق بیان کرنا۔ یہ بھی نسخ ہے، کیوں کہ مقیس اور مقیس علیہ کے درمیان مناسبت ہوتی ہے، مناسبت کو ہٹا کر فرق بیان کرنا نسخ ہوگا۔

(۶) کسی جاہلی عادت کو ہٹا کر اسلامی عادت وحکم کو لانا، متقدمین کے نزدیک 'ازالہ' کے مفہوم کی وجہ سے نسخ ہے۔

(۷) سابقہ شریعت وحکم کو بدل کر موجودہ شریعت وحکم کو لانا بھی نسخ ہے، کہ یہاں بھی "ازالہ" پایا جاتا ہے۔

متأخرین کے نزدیک نسخ

لغوی معنی: نسخ کے لغوی معنی وہی ہیں پہلے ذکر ہوئے یعنی ہٹانا، زائل کرنا، ازالۂ شی بشی۔

اصطلاحی معنی: نسخ کے اصطلاحی معنی ہیں: بَیَانُ اِنْتِهَاءِ حُکْمٍ شَرْعِيٍّ، بِطَرِیْقٍ شَرْعِيٍّ، مُتَرَاخٍ عَنْهُ حَتّٰی لَایَجُوْزُ اِمْتِثَالُهٗ.

شرعی طریقے پر کسی حکم شرعی کے ختم ہونے کو بیان کرنا "نسخ اصطلاحی" کہلاتا ہے اس طرح کہ اب پہلا حکم معمول بہ نہیں ہوگا۔

متقدمین کے نزدیک منسوخ آیتوں کی تعداد:

متقدمین مفسرین کے نزدیک نسخ کے معنی میں نہایت وسعت ہے، اس لیے قرآن میں جہاں کہیں ازالہ یا ہٹانے کا مفہوم ہوگا اسے متقدمین منسوخ مانیں گے، جہاں بھی عام کو خاص کیا جائے یا قید احترازی کے بجائے قیدِ اتفاقی ہوگی، تو متقدمین اسے منسوخ ہی کہیں گے، اسی لیے متقدمین کے نزدیک "منسوخ آیات کی تعداد" بے شمار ہوگی۔

البتہ علمائے تفسیر نے تلاش واستقرا سے طے کیا ہے کہ متقدمین مفسرین کے یہاں آیات منسوخہ کی تعداد کل ۵۰۰ ہے۔

2

آیات منسوخہ کی تعداد متاخرین کے نزدیک

علامہ جلال الدین سیوطیؒ (۸۴۹ھ۔۹۱۱ھ) نے اپنی کتاب ''الاتقان فی علوم القرآن'' میں اس پر بحث کی ہے اور علامہ ابن العربیؒ کی رائے بتائی ہے کہ ان کے نزدیک آیاتِ منسوخہ کی تعداد صرف ۲۱ رہے۔ پھر بتلایا ہے کہ اصل ''آیت استیذان'' اور ''آیات تقسیم میراث'' میں منسوخ نہ ہونا ہے تو کل منسوخ آیات ۱۹ ہوئیں۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی رائے:

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی علیہ الرحمہ (۱۱۱۴ھ۔۱۱۷۶ھ) نے اپنی اصول تفسیر کی کتاب ''الفوز الکبیر فی اصول التفسیر'' میں تحریر فرمایا ہے کہ:

وَ عَلٰی مَا حَرَّرْنَا لَا یَتَعَیَّنُ النَّسْخَ اِلَّا فِیْ خَمْسِ آیَاتٍ (الفوز الکبیر، ص۶۰)

ہماری تحریر کے مطابق متعین طریقے پر نسخ صرف پانچ آیات میں پایا جائے گا۔

قرآن کریم کی پانچ منسوخ آیتیں:

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ (۱۱۱۴ھ۔۱۱۷۶ھ) کے نزدیک جو ۵ آیات منسوخ ہیں وہ ذیل میں اپنے ناسخ کے ساتھ دی جارہی ہیں:

پہلی منسوخ آیت: کُتِبَ عَلَیْکُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَکُمُ الْمَوْتُ اِنْ تَرَکَ خَیْرَا نِ الْوَصِیَّۃُ لِلْوَالِدَیْنِ وَ الْاَقْرَبِیْنَ بِالْمَعْرُوْفِ حَقًّا عَلَی الْمُتَّقِیْنَ.

(البقرۃ: ۱۸۰)

ترجمہ: جب تم میں سے کسی کے سامنے موت حاضر ہو جائے اگر وہ مال چھوڑ رہا ہو تو اس پر والدین اور اقرباء کے لیے وصیت بالمعروف کرنا فرض قرار دے دیا گیا ہے، یہ حکم متقیوں پر لازم ہے۔

یہ آیت اس زمانے میں نازل ہوئی تھی جب میراث کے احکام نہیں آئے تھے، اس میں ہر شخص کے ذمے یہ فرض قرار دیا گیا تھا کہ وہ مرنے سے پہلے اپنے ترکے کے بارے میں وصیت کر کے جائے کہ اس کے والدین اور دوسرے رشتہ داروں کو کتنا کتنا مال تقسیم کیا جائے۔

ناسخ آیت یُوْصِیْکُمُ اللّٰهُ فِیْ اَوْلَادِکُمْ لِلذَّکَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَیَیْنِ...الخ.

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے تمام رشتہ داروں میں ترکے کی تقسیم کا ایک ضابطہ خود مقرر کر دیا، لہٰذا اب اس آیت نے اوپر والی آیت کو منسوخ کر دیا، اور اب کسی شخص پر مرنے سے پہلے وصیت کرنا فرض نہیں۔

(۲) دوسری منسوخ آیت: سورۂ "انفال" کی آیت نمبر: ۶۵ ہے۔ یہ اسی سورت کی آیت نمبر: ۶۶ سے منسوخ ہے۔

منسوخ آیت ہے: **"اِنْ یَّکُنْ مِّنْکُمْ عِشْرُوْنَ صَابِرُوْنَ یَغْلِبُوْا مِائَتَیْنِ، وَ وَ اِنْ یَّکُنْ مِّنْکُمْ مِّائَةٌ یَّغْلِبُوْا اَلْفًا مِّنَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا یَفْقَهُوْنَ".**

ترجمہ: اگر تم سے بیس آدمی استقامت رکھنے والے ہوں گے تو وہ دو سو پر غالب آجائیں گے، اور اگر تم میں سے سو آدمی ہوں گے تو ایک ہزار کافروں پر غالب آجائیں گے، کیوں کہ یہ کافر ایسے ہیں جو صحیح سمجھ نہیں رکھتے۔

ناسخ آیت: اَلآنَ خَفَّفَ اللّٰہُ عَنکُمْ وَ عَلِمَ اَنَّ فِیْکُمْ ضَعْفًا، فَاِنْ یَکُنْ مِنکُمْ مِائَۃٌ صَابِرَۃٌ یَغْلِبُوْا مِائَتَیْنِ وَ اِنْ یَکُنْ مِنکُمْ اَلْفٌ یَغْلِبُوْا اَلْفَیْنِ بِاِذْنِ اللّٰہِ، وَاللّٰہُ مَعَ الصَّابِرِیْنَ. (الانفال:٦٦)

ترجمہ: جب اللہ نے تمہارے لیے آسانی پیدا کردی ہے اور اللہ کو علم ہے کہ اب تم میں کچھ کمزوری ہے، پس اب اگر تم میں سے سوافراد استقامت رکھنے والے ہوں گے تو وہ دو سو پر غالب رہیں گے، اور اگر تم میں سے ایک ہزار ہوں گے تو دو ہزار پر غالب رہیں گے، اور اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

اس آیت نے پہلی آیت کے حکم میں تخفیف کر کے اسے منسوخ کر دیا، اور دس گنا دشمن کے بجائے دوگنا کی حد مقرر کردی کہ مسلمان ایک ہو اور کافر دو، تو مسلمان کے لیے اس حالت میں کافروں سے بھاگنا جائز نہیں۔

(۳) تیسری منسوخ آیت: حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ (۱۱۱۴ھ-۱۱۷۶ھ) کے نزدیک تیسری منسوخ آیت سورۂ احزاب کی آیت نمبر:۵۱ ہے، یہ آیت نمبر:۵۰ سے (اسی سورت کی) منسوخ ہے۔

منسوخ آیت یہ ہے: لَا یَحِلُّ لَکَ النِّسَاءُ مِنْ بَعْدُ وَ لَا اَنْ تَبَدَّلَ بِهِنَّ مِنْ اَزْوَاجٍ وَ لَوْ اَعْجَبَکَ حُسْنُهُنَّ. (الاحزاب:۵۱)

ترجمہ: (اے نبی!) آپ کے لیے اس کے بعد عورتیں حلال نہیں اور نہ یہ حلال ہے کہ ان (موجودہ ازواج) کو بدل کر دوسری عورتوں سے نکاح کریں خواہ آپ کو ان کا حسن پسند آئے۔ (حسن پسند آئے.........)

اس آیت میں حضور کو مزید نکاح کرنے سے منع کردیا گیا تھا، بعد میں اجازت دے دی گئی اور منع کا حکم منسوخ کردیا گیا،اس حکم کے لیے ناسخ آیت اسی سورۂ احزاب کی آیت نمبر ۵۰ ہے جو ترتیب میں مقدم ہے۔

ناسخ آیت: یٰاَیُّھَا النَّبِیُّ اِنَّا اَحْلَلْنَا لَکَ اَزْوَاجَکَ اللّٰتِیْٓ اٰتَیْتَ اُجُوْرَھُنَّ...الخ (الاحزاب: ۵۰)

ترجمہ: اے نبی! ہم نے آپ کے لیے آپ کی وہ ازواج حلال کردی ہیں جنہیں آپ نے ان کا مہر دے دیا ہو...الخ۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے نزدیک یہ آیت اس پہلے والی آیت کو منسوخ کررہی ہے۔لیکن ابن جریر طبریؒ (........) کی تفسیر مان لینے سے دونوں آیتیں ''معمول بھا'' رہتی ہیں، ان کی تفسیر سادہ اور آسان بھی ہے کہ پہلی آیت میں کچھ مخصوص عورتوں کا ذکر فرمایا ہے جو آپ کے لیے حلال کی گئی ہیں اور اس کے بعد دوسری آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ ان کے علاوہ عورتیں حلال نہیں۔ اب ترتیب آیات بھی برقرار ہے، معنی بھی واضح ہے۔

(۴) چوتھی منسوخ آیت: ''سورۂ مجادلہ'' کی آیت نمبر:۱۲ چوتھی آیت ہے جو شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے نزدیک منسوخ ہے۔

آیت یہ ہے: **یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نَاجَیْتُمُ الرَّسُوْلَ فَقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیْ نَجْوٰکُمْ صَدَقَۃً...الخ'' (المجادلہ: ۱۲)**

ترجمہ: اے ایمان والو! جب تم کو رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) سے سرگوشی کرنی ہو، تو سرگوشی سے پہلے صدقہ کردیا کرو۔

ناسخ آیت: ءَ اَشْفَقْتُمْ اَنْ تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَىْ نَجْوَاكُمْ صَدَقٰتٍ، فَاِذْ لَمْ تَفْعَلُوْا وَ تَابَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَ آتُوا الزَّكٰوةَ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ. (المجادلۃ:۱۳)

ترجمہ: کیا تم اس بات سے ڈر گئے کہ تم اپنی سرگوشی سے پہلے صدقات پیش کرو پس جب تم نے ایسا نہیں کیا اور اللہ نے تمہاری توبہ قبول کرلی تو (اب) نماز قائم رکھو، اور زکاۃ ادا کرتے رہو، اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو۔

اس آیت میں اس طرح سرگوشی سے پہلے صدقات پیش کرنے کا حکم منسوخ ہوگیا۔ اس منسوخ آیت پر، منسوخ ہونے سے پہلے صرف حضرت علیؓ کے عمل کیا، ایک مرتبہ ان کو حضورؐ سے سرگوشی کی ضرورت تھی تو آپؐ نے صدقہ دیا اور سرگوشی کی۔

(۵) پانچویں منسوخ آیت: پانچویں آیت جو شاہ صاحبؒ کے نزدیک منسوخ ہے، سورۂ مزمل کی یہ آیت ہے: "يٰاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا، نِصْفَهٗ اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيْلًا"۔ (مزمل:۱)

اے مزمل (آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم)! رات کو (تہجد میں) کھڑے رہیے، مگر تھوڑا سا حصہ، آدھی رات یا اس میں سے بھی کچھ کم کردیجیے۔

اس آیت میں رات کے کم سے کم آدھے حصے میں تہجد پڑھنے کا حکم دیا گیا تھا، جسے اگلی آیت سے یعنی سورۂ مزمل کی آیت ۲۰ سے منسوخ کردیا گیا۔

منسوخ کردینے والی آیت یہ ہے:

ناسخ: "عَلِمَ اَنْ لَّنْ تُحْصُوْهُ فَتَابَ عَلَيْكُمْ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ"۔ (مزمل:۲۰)

حضرت شاہ صاحبؒ (۱۱۱۴ھ-۱۱۷۶ھ) کی تحقیق یہ ہے کہ تہجد کا حکم واجب تو پہلے بھی نہیں تھا، لیکن پہلے اس میں زیادہ تاکید بھی تھی اور اس کا وقت بھی زیادہ وسیع تھا، بعد میں تاکید بھی کم ہوگئی اور وقت کی اتنی پابندی بھی نہ رہی۔

قاضی ابوبکر محمد بن عبداللہ اندلسیؒ (۴۶۸ھ،۵۴۳ھ) کے نزدیک منسوخ آیات ۲۱ رہیں:

قاضی ابوبکر محمد بن عبداللہ اندلسی معافریؒ مالکی (۴۶۸ھ۵۴۳ھ) جو "ابن عربیؒ" کے نام سے مشہور ہیں، اور ابن عربیؒ صوفی کے علاوہ ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ قرآن کریم میں زیادہ سے زیادہ ۲۱ر آیتیں منسوخ ہیں، اس سے زیادہ کا دعویٰ حق بجانب نہیں، علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے "الاتقان فی علوم القرآن" میں اسی رائے کو نقل کیا ہے، ذیل میں ۲۱ر منسوخ آیات اپنے ناسخ کے ساتھ مختصراً دی جارہی ہیں:

اکیس منسوخ آیتیں:

(۱) سورۂ بقرہ کی آیت نمبر ۱۸۰ "كُتِبَ عَلَيْكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ اِنْ تَرَكَ خَيْرَا ۨالْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَ الْاَقْرَبِيْنَ بِالْمَعْرُوْفِ، حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ". (البقرہ:۱۸۰)

سورۂ نساء کی آیت ۱۱ سے ۱۴ تک میں میراث کا ذکر ہے اس کو "آیت المواریث" کہتے ہیں۔ یہ آیت یہ ہے: يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْٓ اَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ... الخ (النساء: ۱۱، ۱۲)۔ اسی آیت نے اوپر والی آیت کو منسوخ کردیا۔

(۲) سورۂ بقرہ کی آیت نمبر ۱۸۴ ر دوسرے نمبر کی منسوخ آیت ہے۔ آیت یہ ہے: "وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ" (البقرہ:۱۸۴)

ناسخ آیت یہ ہے: "فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ" (البقرہ:۱۸۵)

5

(۳) تیسری منسوخ آیت: "یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا کُتِبَ عَلَیْکُمُ الصِّیَامُ کَمَا کُتِبَ عَلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ" (البقرہ:۱۸۳)

ناسخ آیت: "اُحِلَّ لَکُمْ لَیْلَةَ الصِّیَامِ الرَّفَثُ اِلٰی نِسَاءِ کُمْ" (البقرہ:۱۸۷)

(۴) چوتھی منسوخ آیت: "یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الشَّھْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِیْهِ قُلْ: قِتَالٌ فِیْهِ کَبِیْرٌ وَصَدٌّ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَکُفْرٌ بِهٖ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ، وَاِخْرَاجُ اَھْلِهٖ مِنْهُ اَکْبَرُ عِنْدَ اللّٰهِ، وَالْفِتْنَةُ اَکْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ، وَلَا یَزَالُوْنَ یُقَاتِلُوْنَکُمْ حَتّٰی یَرُدُّوْکُمْ عَنْ دِیْنِکُمْ اِنِ اسْتَطَاعُوْا" (البقرہ:۲۱۷)

منسوخ کرنے والی آیت: "اِنَّ عِدَّةَ الشُّھُوْرِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَھْرًا فِیْ کِتَابِ اللّٰهِ یَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ، مِنْھَا اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ، ذٰلِکَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ، فَلَا تَظْلِمُوْا فِیْھِنَّ اَنْفُسَکُمْ، وَقَاتِلُوا الْمُشْرِکِیْنَ کَافَّةً کَمَا یُقَاتِلُوْنَکُمْ کَافَّةً، وَاعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِیْنَ" (التوبۃ:۳۶)

(۵) پانچویں منسوخ آیت: "وَ الَّذِیْنَ یُتَوَفَّوْنَ مِنْکُمْ وَ یَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا وَصِیَّةً لِّاَزْوَاجِھِمْ مَتَاعًا اِلَی الْحَوْلِ غَیْرَ اِخْرَاجٍ، فَاِنْ خَرَجْنَ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْکُمْ فِیْمَا فَعَلْنَ فِیْ اَنْفُسِھِنَّ مِنْ مَعْرُوْفٍ، وَاللّٰهُ عَزِیْزٌ حَکِیْمٌ" (البقرہ:۲۴۰)

ناسخ: "وَ الَّذِیْنَ یُتَوَفَّوْنَ مِنْکُمْ وَ یَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا یَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِھِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْھُرٍ وَّ عَشْرًا، فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَھُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْکُمْ فِیْمَا فَعَلْنَ فِیْ اَنْفُسِھِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ، وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ" (البقرہ:۲۳۴)

(۶) چھٹی منسوخ آیت: "وَ اِنْ تُبْدُوْا مَا فِیْ اَنْفُسِکُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ یُحَاسِبْکُمْ بِهِ اللّٰهُ" (البقرہ:۲۸۴)

ناسخ آیت: "لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا" (البقرہ:۲۸۶)

(۷) ساتویں منسوخ آیت: "اِتَّقُوْا اللّٰهَ حَقَّ تُقَاتِهٖ" (آل عمران:۱۰۲)

ناسخ: "فَاتَّقُوْا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ" (تغابن:۱۶)

پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کا حکم ہے، لیکن جتنا اللہ کا حق ہے اس کے بقدر ڈرنے کا حکم ہے، جو بندے کی قدرت سے باہر ہے۔ اسی لیے آیت کو منسوخ کردیا گیا، منسوخ کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے آیت اتاری کہ "اللہ سے ڈرو جتنا تم سے ہوسکے"۔

(۸) آٹھویں منسوخ آیت: "وَ الَّذِيْنَ عَقَدَتْ اَيْمَانُكُمْ فَاٰتُوْهُمْ نَصِيْبَهُمْ" (۱) (نساء:۳۳)

ناسخ: "وَ اُولُوْ الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ" (انفال:۷۵) (احزاب:۶)

(۹) نویں منسوخ آیت: "وَ اِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ اُولُوْ الْقُرْبٰى وَ الْيَتٰمٰى وَ الْمَسَاكِيْنَ فَارْزُقُوْهُمْ مِنْهُ، وَ قُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلاً مَعْرُوْفًا" (نساء:۸)

ناسخ: "يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْ اَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ" (نساء:۱۱،۱۲)

(۱۰) دسویں منسوخ آیت: "وَالّٰتِيْ يَاْتِيْنَ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِّسَاءِكُمْ فَاسْتَشْهِدُوْا عَلَيْهِنَّ اَرْبَعَةً مِنْكُمْ، فَاِنْ شَهِدُوْا فَاَمْسِكُوْهُنَّ فِي الْبُيُوْتِ حَتّٰى يَتَوَفّٰهُنَّ الْمَوْتُ اَوْ يَجْعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِيْلاً" (نساء:۱۵)

ناسخ: "اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ" (النور:۲)

---

(۱) اس آیت میں مولی الموالاۃ کو میراث میں سے حصہ دینے کا حکم ہے۔ بعد میں یہ حکم منسوخ ہوگیا اور آیت نازل ہوئی "وَاُولُوْ الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ" رشتہ دار ایک دوسرے کے زیادہ حق دار ہیں (میراث میں)۔

(۱۱) گیارہویں منسوخ آیت: "یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا لَا تُحِلُّوْا شَعَائِرَ اللّٰہِ، وَلَا الشَّھْرَ الْحَرَامَ وَلَا الْھَدْیَ وَلَا الْقَلَائِدَ وَلَا آمِّیْنَ الْبَیْتَ الْحَرَامَ یَبْتَغُوْنَ فَضْلاً مِنْ رَّبِّھِمْ وَرِضْوَاناً" (المائدۃ:۲)

ناسخ: "قَاتِلُوْا الْمُشْرِکِیْنَ کَافَّۃً کَمَا یُقَاتِلُوْنَکُمْ کَافَّۃً" (توبہ:۳۶)

(۱۲) بارہویں منسوخ آیت: "فَاِنْ جَاءُوْکَ فَاحْکُمْ بَیْنَھُمْ، اَوْ اَعْرِضْ عَنْھُمْ، وَ اِنْ تُعْرِضْ عَنْھُمْ فَلَنْ یَّضُرُّوْکَ شَیْئاً ،وَاِنْ حَکَمْتَ فَاحْکُمْ بَیْنَھُمْ بِالْقِسْطِ، اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُقْسِطِیْنَ" (مائدۃ:۴۲)

ناسخ: "اَنِ احْکُمْ بَیْنَھُمْ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰہُ، وَلَا تَتَّبِعْ اَھْوَاءَھُمْ وَاحْذَرْھُمْ اَنْ یَفْتِنُوْکَ عَنْ بَعْضِ مَا اَنْزَلَ اللّٰہُ اِلَیْکَ، فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمْ اَنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ اَنْ یُصِیْبَھُمْ بِبَعْضِ ذُنُوْبِھِمْ وَاِنَّ کَثِیْراً مِنَ النَّاسِ لَفَاسِقُوْنَ" (المائدۃ:۴۹)

(۱۳) تیرہویں منسوخ آیت: "یَااَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا شَھَادَۃُ بَیْنِکُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَکُمُ الْمَوْتُ حِیْنَ الْوَصِیَّۃِ اثْنَانِ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْکُمْ اَوْ آخَرَانِ مِنْ غَیْرِکُمْ، اِنْ اَنْتُمْ ضَرَبْتُمْ فِیْ الْاَرْضِ فَاَصَابَتْکُمْ مُصِیْبَۃُ الْمَوْتِ تَحْبِسُوْنَھُمَا مِنْ بَعْدِ الصَّلٰوۃِ... الخ" (المائدۃ:۱۰۶)

ناسخ: "فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَھُنَّ فَاَمْسِکُوْھُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ فَارِقُوْھُنَّ بِمَعْرُوْفٍ، وَ اَشْھِدُوْا ذَوَیْ عَدْلٍ مِنْکُمْ ...الخ" (طلاق:۲)

(۱۴) چودہویں منسوخ آیت: "یَااَیُّھَا النَّبِیُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِیْنَ عَلَی الْقِتَالِ، اِنْ یَّکُنْ مِنْکُمْ عِشْرُوْنَ صَابِرُوْنَ یَغْلِبُوْا مِائَتَیْنِ، وَ اِنْ یَّکُنْ مِنْکُمْ مِائَۃٌ یَغْلِبُوْا اَلْفًا مِنَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا بِاَنَّھُمْ قَوْمٌ لَا یَفْقَھُوْنَ" (الانفال:۶۶)

ناسخ: "اَلْآنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْكُمْ، وَ عَلِمَ اَنَّ فِيْكُمْ ضَعْفًا، فَاِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ مِائَةٌ صَابِرَةٌ يَغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ، وَ اِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ اَلْفٌ، يَغْلِبُوْا اَلْفَيْنِ بِاِذْنِ اللّٰهِ وَ اللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ" (الانفال:۶۶)

(۱۵) پندرھویں منسوخ آیت: "اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّ ثِقَالاً وَّ جَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَ اَنْفُسِكُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ، ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ" (سورۃ البراءۃ:۴۱)

ناسخ: "لَيْسَ عَلَى الْاَعْمٰى حَرَجٌ... الخ" (الفتح:۷)

"لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَاءِ... الخ" (التوبۃ:۹۱)

"وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَافَّةً ... الخ" (التوبۃ:۱۲۲)

(۱۶) سولھویں منسوخ آیت: "اَلزَّانِيْ لَا يَنْكِحُ اِلَّا زَانِيَةً اَوْ مُشْرِكَةً، وَالزَّانِيَةُ لَا يَنْكِحُهَا اِلَّا زَانٍ اَوْ مُشْرِكٌ وَحُرِّمَ ذٰلِكَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ" (النور:۳)

ناسخ: "وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ وَالصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ، اِنْ يَّكُوْنُوْا فُقَرَاءَ يُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ، وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ" (النور:۳۲)

(۱۷) سترھویں منسوخ آیت: "يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِيَسْتَاْذِنْكُمُ الَّذِيْنَ مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ وَالَّذِيْنَ لَمْ يَبْلُغُوا الْحُلُمَ مِنْكُمْ ثَلٰثَ مَرّٰتٍ مِنْ قَبْلِ صَلٰوةِ الْفَجْرِ وَحِيْنَ تَضَعُوْنَ ثِيَابَكُمْ مِنَ الظَّهِيْرَةِ، وَمِنْ بَعْدِ صَلٰوةِ الْعِشَاءِ ... الخ"

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا مذہب ہے کہ یہ منسوخ نہیں ہے۔

(۱۸) اٹھارہویں منسوخ آیت: "لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَاءُ مِنْ بَعْدُ وَ لَا اَنْ تَبَدَّلَ بِهِنَّ مِنْ اَزْوَاجٍ، وَ لَوْ اَعْجَبَكَ حُسْنُهُنَّ اِلَّا مَامَلَكَتْ يَمِيْنُكَ، وَكَانَ

7

اللّٰهُ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ رَّقِیْباً“(احزاب:۵۲)

ناسخ:”اِنَّا اَحْلَلْنَا لَکَ اَزْوَاجَکَ الّٰتِیْ...الخ“ (احزاب:۵۰)

(۱۹)انیسویں منسوخ آیت:”یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِذَانَاجَیْتُمُ الرَّسُوْلَ فَقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیْ نَجْوَاکُمْ صَدَقَةً، ذٰلِکَ خَیْرٌ لَّکُمْ وَاَطْھَرُ، فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ“ (مجادلہ:۱۲)

ناسخ: ”ءَ اَشْفَقْتُمْ اَنْ تُقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیْ نَجْوَاکُمْ صَدَقَاتٍ فَاِذْلَمْ تَفْعَلُوْا وَتَابَ اللّٰهُ عَلَیْکُمْ فَاَقِیْمُوْا الصَّلٰوةَ وَآتُوْاالزَّکٰوةَ وَاَطِیْعُوْا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ، وَاللّٰهُ خَبِیْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ“(المجادلہ:۱۳)

(۲۰)بیسویں منسوخ آیت:”وَاِنْ فَاتَکُمْ شَیْءٌ مِنْ اَزْوَاجِکُمْ اِلَی الْکُفَّارِ فَعَاقَبْتُمْ فَآتُوْا الَّذِیْنَ ذَھَبَتْ اَزْوَاجُھُمْ مِثْلَ مَا اَنْفَقُوْا، وَاتَّقُوْا اللّٰهَ الَّذِیْنَ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ“ (ممتحنہ:۱۱)

ناسخ: ”قَاتِلُوْا الْمُشْرِکِیْنَ کَافَّةً کَمَا یُقَاتِلُوْنَکُمْ کَافَّةً“ (التوبہ:۳۶)

(۲۱)اکیسویں منسوخ آیت: ” قُمِ الَّیْلَ اِلَّا قَلِیْلاً، نِصْفَهٗ اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِیْلاً“(مزمل:۲)

ناسخ:”عَلِمَ اَنْ لَنْ تُحْصُوْهُ فَتَابَ عَلَیْکُمْ فَاقْرَؤُوْامَا تَیَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ“ (المزمل:۲)

تیسری فصل:

شانِ نزول کے بیان میں

شانِ نزول کی بحث بھی ناسخ ومنسوخ کی بحث کی طرح مفسرین واصولیین کے نزدیک بڑی معرکۃ الآراء اوراہم مانی جاتی ہے۔شانِ نزول کے حوالے سے ایک مفسر کے لیے یہ بات ازحد ضروری ہے کہ وہ آیات قرآنیہ میں اشارتاً آئے ہوئے ان قصوں کو ذرا تفصیل سے جانے جن سے فہمِ آیات آسان ہو جاتا ہے۔

اسی طرح قرآن کریم میں آیات کا عموم ہوتا ہے، یہ قصوں کی معرفت ہی، قصوں کے حوالے سے، آیات کے خصوص کو بتلاتی ہے، شانِ نزول ہی سے کلامِ الٰہی کی ظاہری مراد کو اصلی مراد کی طرف جانا آتا ہے جسے فن توجیہ بھی کہا جاتا ہے۔

شانِ نزول کے فوائد

کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ قرآن خود اتنا واضح ہے کہ اس کی وضاحت کے لیے شانِ نزول وغیرہ کی چنداں ضرورت نہیں۔لیکن یہ خیال باطل ہے، علم تفسیر کے لیے شانِ نزول ایک لازمی شرط ہے، اس کے بے شمار فائدے ہیں۔چند یہ ہیں:

(۱) علامہ زرکشی ''البرہان فی علوم القرآن'' ص۲۲؍ پر فرماتے ہیں کہ شانِ نزول سے: (۱) احکام کی حکمتیں (۲) احکام کی علتیں اور (۳) احکام کے حالات معلوم ہوتے ہیں۔مثال: قرآن کی آیت ہے: ''یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوۃَ وَاَنْتُمْ سُکَارٰی'' (اے ایمان والو! نماز کے پاس بھی نہ جاؤ جب کہ تم نشے کی حالت میں ہو)۔

شانِ نزول: ''حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ شراب کے حرام ہونے سے پہلے ایک مرتبہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے کچھ صحابہ کو کھانے پر مدعو کیا اور وہاں کھانے کے بعد شراب پی گئی، اسی حالت میں نماز کا وقت آ گیا تو ایک صحابی نے امامت کی اور انہوں نے نشے کی وجہ سے قرآنی آیات کی تلاوت میں غلطی کی، اس پر یہ آیت نازل ہوئی''۔

(علوم القرآن:ص۷۴)

اب اگر یہ شانِ نزول والا واقعہ سامنے نہ ہو تو آیت کا مطلب صحیح سمجھ میں نہیں آ سکتا۔ آدمی خیال کرے گا کہ جب شراب بالکل حرام ہے تو یہ کہنے کی ضرورت ہی کیا تھی اور شانِ نزول والے واقعے کو ملانے سے آیت سمجھنے میں کوئی دشواری نہیں پیش آتی۔

(۲) بسا اوقات شانِ نزول نہ معلوم ہو تو آیت کا بالکل غلط مطلب سمجھا جا سکتا ہے۔ مثال: ''وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ، فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ'' ترجمہ ہے کہ: اور مشرق و مغرب اللہ ہی کی ہیں پس جدھر بھی رخ کرلو ادھر ہی اللہ کا رخ ہے۔

(البقرہ:۱۱۵)

شانِ نزول: حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ جب مسلمانوں کا قبلہ بیت المقدس سے کعبہ کی طرف تبدیل ہوا تو یہودیوں نے اعتراض کیا کہ اس تبدیلی کی کیا وجہ ہے اس پر یہ آیت نازل ہوئی جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ہر سمت اللہ کی بنائی ہوئی ہے اور اللہ ہر طرف موجود ہے، لہٰذا وہ جس طرف بھی رخ کرنے کا حکم دے دے ادھر رخ کرنا واجب ہے اس میں قیاسات کو دخل دینے کی کوئی ضرورت نہیں''۔ (علوم القرآن:ص۷۵)

اگر یہی شانِ نزول کا واقعہ پیشِ نظر نہ ہو تو نماز میں ہر طرف رخ کرنے کا جواز اس آیت سے ثابت ہوگا، جو قطعاً غلط ہے۔

متقدمین اور متاخرین کی اصطلاحات

نَزَلَتْ فِیْ کَذَا کے معنی:

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ صحابہ اور تابعین کے کلام کی چھان بین سے یہ بات سامنے آئی ہے کہ صحابہ وتابعین ”نزلت فی کذا“ جہاں اس واقع کے سلسلے میں استعمال کرتے تھے جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں پیش آیا اور آیت کا شان نزول تھا، وہیں دوسرے چند معانی کے لیے بھی نزلت فی کذا“ استعمال کرتے تھے۔

مثلاً: عہد نبوی یا اس کے بعد کے واقعے کو ذکر کرتے اور بتاتے کہ یہ آیت اس واقعہ کے بعض جزوی پہلوؤں پر صادق آتی ہے، واقعے کی تمام قیود وحد بندیاں مراد نہیں ہیں، آیت کا اصل حکم واقعے کے بعض حصوں پر منطبق ہے۔

یا مثلاً: یہ حضرات کوئی واقعہ جو عہد نبوی میں پیش آیا، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت سے اس کا حکم نکالا اور صحابہ کو پڑھ کر سنایا تو اس موقع پر بھی صحابہ وتابعین ”نزلت فی کذا“ استعمال کرتے۔

تکرارِ نزول:

کسی آیت سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حکم مستنبط کیا، آپ کے دل میں اس طرح کا استنباط اور حکم کا آنا ایک طرح کی وحی ہے، اسی کو اگر کہا جائے کہ یہ آیت مکرر نازل ہوئی ہے، (ایک مرتبہ آیت جبرئیل کے واسطے سے اور دوبارہ دل میں اس کے حکم کے آنے سے) تو ایسا کہنا صحیح ہے۔

شانِ نزول سے غیر متعلق روایات:

محدثین و مفسرین قرآن کریم کی آیات کے تحت بہت ساری ایسی باتیں ذکر کر جاتے ہیں جن کا تعلق شانِ نزول سے نہیں ہوا کرتا۔

مثلاً: صحابہ نے اپنے دور میں آپس میں کبھی کوئی بحث مباحثہ کیا اور اس دوران اپنی بات کو مستحکم کرنے کے لیے کوئی آیت استشہاد کے طور پر پڑھی، مفسرین اس کو بھی شانِ نزول کے طور پر ذکر کر دیتے ہیں حالاں کہ اس کا تعلق شانِ نزول سے نہیں ہوتا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث شریف میں کوئی آیت کسی مسئلے کے استشہاد میں پڑھی، یا کوئی حدیث اصل مقصود میں آیت کے موافق ہو، یا مقامِ نزول کی تعیین کر رہی ہو، یا آیت میں مبہم طور پر مذکور اسماء کی تعیین کر رہی ہو، یا الفاظ قرآنی کے تلفظ کا طریقہ بتلا رہی ہو، یا کسی سورت یا آیت کی فضیلت بتلا رہی ہو، یا کسی قرآنی حکم پر عمل کا نبوی طریقہ بتا رہی ہو، یہ تمام چیزیں شانِ نزول سے تعلق نہیں رکھتیں۔

مفسر کے لیے دو شرطیں:

(۱) آیات میں آئے ہوئے قصوں کی قدرے تفصیل سے جانکاری مفسر کے لیے ضروری ہے، تاکہ آیاتِ قرآنیہ میں آئے ہوئے اشاروں کو سمجھ سکے۔

(۲) ان قصوں کو بھی جاننا ضروری ہے جو عام کی تخصیص کرتے ہیں یا کلام کو ظاہری معنی سے پھیر کر صحیح توجیہ تک رہنمائی کرتے ہیں۔

اہلِ کتاب کی روایتوں میں انبیا کے قصے:

یہ استقرائی اصول ہے کہ احادیث میں گذشتہ نبیوں کے قصے بہت تھوڑے منقول ہیں۔ جو بھی طویل اور تفصیلی قصے تفسیروں میں انبیائے سابقین کے بارے میں ہیں وہ

علمائے اہلِ کتاب سے مروی ہیں، کچھ تفصیلی قصے مستثنیٰ ہیں۔ اور اہل کتاب کے بارے میں صحیح بخاری میں یہ حدیث منقول ہے کہ "لا تُصَدِّقُوْا أَهْلَ الْكِتَابِ وَ لا تُكَذِّبُوْهُمْ" (بخاری،ص ۶۴۳ بحوالہ الفوزالکبیر حاشیہ) یعنی اہلِ کتاب کی نہ تو تصدیق کرو نہ تکذیب۔ لہٰذا نبیوں کے تفصیلی واقعات کو اسی طرح مانا جائے کہ ہوسکتا ہے کہ صحیح بھی ہوں تو سنتے ہی تکذیب نہ کردی جائے، یا کلی طور پر مان بھی نہ لیا جائے۔

مفسرین کے تفسیری اقوال مختلف کیوں؟:

صحابہ وتابعین کی عادت رہی ہے کہ جاہلی رسم ورواج اور یہود ومشرکین کے عقائد ومذاہب سمجھانے کے لیے کچھ جزوی واقعات ذکر کرتے ہیں اور ایسے موقع پر نزلت فی کذا بولتے ہیں۔ جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ان واقعات اور ان جیسے یا ان کے قریب قریب واقعات کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی ہے۔ مخصوص واقعات کا ذکر مقصود نہیں ہوتا، بل کہ امور کلی پر ان کی ذکر کردہ صورت صادق آتی ہے۔ اسی بنیاد پر مفسرین کے تفسیری اقوال مختلف ہوتے ہیں ہر مفسر اپنے اعتبار سے گفتگو پیش کرتا ہے، لیکن سب کا مقصد ایک ہی ہوتا ہے۔

صحابیِ رسول کا فرمان:

مقصود قصہ نہیں ہوتا بل کہ امور کلیہ پر صورت مذکور کا صادق آنا ہوتا ہے، اسی نکتے کی طرف صحابیِ رسول حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے اشارہ فرمایا ہے: "لا یکون الرجلُ فقیها حتی یحمل الآیة الواحدة علیٰ محامل متعددة" (ابن سعد) آدمی اس وقت تک فقیہ نہیں ہوسکتا جب تک کہ ایک ہی آیت کا مختلف مصداق نہ بتاسکے۔

قصے کی شکل:

قرآن کریم مرادِ خداوندی کو سمجھانے کے لیے اکثر باتوں کو قصوں کی شکل میں پیش کرتا ہے، قرآن میں اکثر دو شکلیں مذکور ہوتی ہیں: نیک بخت کی شکل، بد بخت کی شکل: نیک بخت کی شکل میں نیک لوگوں کے اوصاف کی تشکیل اور منظر کشی ہوتی ہے اور بد بخت کی شکل میں بدبختوں کے اوصافِ بدبختی بیان ہوتے ہیں۔

اس بیان کا مقصود یہ ہوتا ہے کہ جن کے اندر نیک بختی کے اوصاف ہیں ان کا حکم نتیجتاً اچھا ہے اور برے اوصاف والوں کا حکم بُرا ہے کوئی متعین شخص مراد نہیں ہوتا۔

مثال: اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں بیان فرمایا ہے: "وَ وَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ اِحْسَانًا، حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ كُرْهًا وَ وَضَعَتْهُ كُرْهًا" (۱) (الاحقاف: ۱۵)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنے ماں باپ کے ساتھ حسنِ سلوک کا حکم فرمایا ہے، کیوں کہ اس کے والدین خصوصا والدہ نے اس کی پرورش میں بڑی جانفشانی و پریشانی جھیلی ہے۔اس کے بعد بعض لوگ اس حکم کو مانتے ہیں، بعض نہیں، ان دونوں کو ''نیک بخت'' اور ''بد بخت'' کی شکل میں قرآن نے پیش کیا ہے۔

---

(۱) چند اور مثالیں: "وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمْ : مَا ذَا اَنْزَلَ رَبُّكُمْ؟ قَالُوْا: اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ" (النحل: ۲۴) "وَقِيْلَ لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا مَاذَا اَنْزَلَ رَبُّكُمْ؟ قَالُوْا خَيْرًا" (النحل: ۳۰) "وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا : قَرْيَةً كَانَتْ آمِنَةً مُطْمَئِنَّةً" (النحل: ۱۱۲) "هُوَالَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ، وَ جَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِيَسْكُنَ اِلَيْهَا، فَلَمَّا تَغَشَّاهَا" (الاعراف: ۱۸۹) "قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ، الَّذِيْنَ هُمْ فِیْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ" (المومنون: ۱۰۲) "وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِيْنٍ" (القلم: ۱۰)

مثال: قصے کی صورت بنا کر بات پیش کرنے کی بے شمار مثالیں قرآن کریم میں موجود ہیں، ایک اور آیت یہ بھی ہے: "كَمَثَلِ حَبَّةٍ أَنْبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِي كُلِّ سُنْبُلَةٍ مِائَةُ حَبَّةٍ" (البقرہ:۲۶۱)

اس آیت میں انسان کی نیکی کے اجر کو بڑھانے کی بات کو قصے کی صورت میں سمجھانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے یہ شکل بیان کی ہے کہ "جیسے ایک دانہ ہے اس کو زمین میں ڈالا، اس سے پودا نکلا اور پودے میں سات بالیاں ہیں اور ہر بالی میں ۱۰۰، ۱۰۰ دانے، اس طرح ایک دانے سے سات سو دانے بن گئے، اس طرح اللہ تعالیٰ ایک نیکی کا اجر سات سو اور اس سے بھی زیادہ، اخلاص کی بنیاد پر، دیتے ہیں۔

اس مثال میں یہ ضروری نہیں کہ کوئی ایسی بالی پائی بھی جائے، یہ مثال تفہیم کے لیے ہے، نہ کہ اس کی تمام خصوصیات کے وجود کے لیے، تمام خصوصیات پالی جائیں تو بہت اچھا، ورنہ کوئی بات نہیں۔

تفسیر کے لیے سوال و جواب:

کبھی کسی شبہے کا جواب قرآن کی آیت میں دیا جاتا ہے، یا کسی سوال کا جواب دیا جاتا ہے، جس کا مقصد گذشتہ کلام کی وضاحت کرنا ہوتا ہے۔ یہ مطلب نہیں ہوتا کہ کسی نے بعینہٖ یہ سوال کیا تھا، یا کسی نے یہی شبہ وارد کیا تھا۔

صحابہ اکثر اپنی تفسیروں میں سوال و جواب کی شکل میں اپنے کلام کی تشریح کیا کرتے تاکہ مرادِ خداوندی سمجھ میں آجائے۔

تقدم زمانی اور تأخر زمانی:

کبھی کبھی صحابہ کرامؓ تقدم وتاخر کا ذکر فرماتے ہیں، اور اس سے تقدم وتاخر زمانی نہیں مراد لیتے ہیں، بل کہ تقدم وتاخر رُتبی مراد لیتے ہیں۔

جیسے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

''وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَ الْفِضَّةَ'' (التوبۃ:۳۴)

ابن عمرؓ کا کہنا ہے کہ یہ آیت نزولِ زکاۃ سے پہلے کی ہے، جب زکوٰۃ کے لیے آیت نازل ہوئی تو اس کو مال کی طہارت کا ذریعہ بنادیا۔ یہ بھی معلوم ہے کہ ''سورۂ براءت'' سب سے آخری سورت ہے، اور یہ آیت بعد کے قصوں کی اہمیت کے لیے ہے جن سے چند سال پہلے زکوٰۃ فرض ہوچکی ہے۔ اس قول سے ابن عمر رضی اللہ عنہ کا مطلب ہے کہ اجمال کا رتبہ تفصیل پر مقدم ہے۔

فن توجیہ:

''توجیہ'' کے لغوی معنی وجہ بیان کرنا۔

اصطلاحی تعریف توجیہ کی یہ ہے: ''کسی کلام اور گفتگو کے مرادی معنی متعین کرنا توجیہ کہلاتا ہے''۔

توضیح: آیت کے معنی کوئی شبہ ہوتا ہے، اس طرح کہ آیت کے مدلول کی صورت، بعید معلوم ہوتی ہے تو صحیح معنی بیان کردینا جس سے شبہ ختم ہوجائے، توجیہ کہلاتا ہے۔ کبھی دو آیت میں بہ ظاہر تعارض ہوتا ہے تو تعارض دور کرنا بھی توجیہ کہلاتا ہے۔ کبھی آیت کا مطلب طالب علم کے لیے مشکل ہوتا ہے، تو مطلب سمجھا دینا بھی توجیہ کہلاتا ہے۔ کبھی آیت میں کوئی قید ذکر کی گئی ہے، جس کا مطلب سمجھ میں نہیں آتا، تو اس کا مطلب سمجھا دینا

بھی ’’توجیہ کہلاتا ہے۔

مثالیں توجیہ کی: (۱)......آیت ہے ’’یٰاُخْتَ ھٰارُوْنَ مَا کَانَ اَبُوْکِ اِمْرَءَ سَوْءٍ‘‘ اس آیت میں ’’اُخْتَ ھٰارُوْنَ‘‘ کے متعلق اہلِ کتاب نے پوچھا کہ حضرت موسیٰ‘‘ اور حضرت عیسیٰ کے درمیان ایک لمبا زمانہ گزرا ہے، تو ہارون علیہ السلام مریمؑ کے بھائی کیسے ہو سکتے ہیں؟ گویا کہ سائل اپنے دل میں پہلے ہی سے یہ طے کیے بیٹھا ہے کہ یہاں ہارون وہی ہیں جو موسیٰ علیہ السلام کے بھائی تھے۔

توجیہ: اسی مسئلے کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حل فرمایا ہے، اس حل کو توجیہ کہتے ہیں، حل اس طرح فرمایا کہ بنی اسرائیل کی عادت تھی کہ ان کے نیک لوگ جو گزر جاتے تھے، تو ان کے ناموں کو اپنے یہاں پیدا ہونے والے بچوں کے لیے مقرر کر لیتے، تو یہاں مریم کے ایک بھائی تھے جن کا ہارون نام تھا جیسے کہ موسیٰؑ کے بھائی کا نام ہارون تھا۔

(۲)......کوئی سوال کرے کہ حشر کے دن انسان اپنے چہرے کے بل کیسے چلے گا۔ یہی سوال نبی سے لوگوں نے کیا بھی تھا۔

توجیہ: شیخین نے نقل کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے توجیہ فرمائی کہ جو خدا دنیا میں انسانوں کو پیروں سے چلانے پر قادر ہے، قیامت میں وہ چہرے کے بل بھی چلا سکتا ہے۔

(۳)......اسی طرح لوگوں نے رئیس المفسرین حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ کے ان دو قول کے درمیان تطبیق کی کیا شکل ہوگی، اللہ تعالیٰ کا ایک قول ہے: ’’فَاِذَا نُفِخَ فِی الصُّوْرِ فَلَآ اَنْسَابَ بَیْنَھُمْ یَوْمَئِذٍ وَّلَا یَتَسَآءَلُوْنَ‘‘ جب صور پھونکا جائے گا تو لوگوں کے درمیان کوئی رشتہ و نسب نہ رہے گا اور نہ ایک دوسرے سے گفتگو کریں گے۔ (مومنون:۱۰۱)

2

دوسرا قول ہے: "وَ اَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَتَسَاءَ لُوْنَ" (صافات:۲۷)
ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہو کر آپس میں گفتگو کریں گے۔
توجیہ: عدمِ گفتگو میدانِ محشر میں ہوگی اور گفتگو جنت میں ہوگی۔

(۴)......لوگوں نے حضرتِ عائشہؓ سے پوچھا کہ اگر صفا و مروہ کے درمیان سعی واجب ہے، تو اللہ تعالیٰ نے کیوں فرمایا کہ "اس پر کوئی حرج نہیں ہے صفا و مروہ کے درمیان سعی کرے"۔

توجیہ: حضرتِ عائشہؓ نے جواب دیا کہ کچھ لوگ اس سے بچتے تھے اور حرج سمجھتے تھے کہ صفا و مروہ پر بت رکھتے تھے وہاں ہم واجب سعی ادا کرنے کیسے جائیں، تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا واجب سعی ادا کرنے کے لیے وہاں جانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

(۵)......حضرت عمرؓ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ سورۂ نساء: ۱۰۱ میں "اِنْ خِفْتُمْ" کی قید کا کیا مطلب ہے۔

توجیہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فرمایا اس کا حاصل یہ ہے کہ "اِنْ خِفْتُمْ" کی قید، قیدِ احترازی نہیں ہے، یہ قید اتفاقی ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "صَدَقَةٌ تَصَدَّقَ اللّٰهُ بِهَا عَلَيْكُمْ فَاقْبَلُوْا صَدَقَتَهٗ"۔ (رواہ مسلم فتح الملہم:۲/۲۵۰)

یہ صدقہ ہے جسے اللہ نے تم کو دیا ہے، تو تم اللہ کے صدقے کو قبول کرو۔ مطلب یہ ہوا کہ جیسے شرفاء صدقہ دینے میں تنگ ظرفی سے کام نہیں لیتے، ایسے ہی خدا نے اس قید کو ضیق اور تنگی کے لیے نہیں بڑھایا کہ قید احترازی ہو بلکہ یہ قید اتفاقی ہے۔

تفسیر میں افراط:

قرآن کی آیات کے مرادی معنی کھول کر اس طرح بیان کرنا کہ مخاطب کو مرادِ خداوندی سمجھ میں آ جائے تفسیر کہلاتا ہے۔لیکن آیات کے معنی کھولنے کے لیے بلاضرورت قصوں کی بھرمار اور رطب ویابس تفسیر میں افراط کہلاتا ہے۔

قدیم عرب مؤرخین میں محمد بن اسحاق مطلبی مدنی متوفی ۱۵۱ھ،قدیم مؤرخِ اسلام محمد بن عمر واقدی مدنی متوفی ۲۰۷ھ (وفات بغداد میں) اور محمد بن سائب کلبی عرب کے احوال واخبار اور تفسیر کے ماہر متوفی ۱۴۶ھ۔ان تین حضرات نے تفسیر میں افراط سے کام لیا ہے۔

انہوں نے ہر آیت کے تحت کوئی نہ کوئی قصہ ذکر کیا ہے،ان ذکر کردہ قصوں میں اکثر کی سند غیر معتبر ہے،محدثین کے نزدیک معتبر نہیں،لہٰذا یہ سمجھنا کہ تفسیر کی شرط ہی یہ ہے کہ ہر آیت کے نزول کے لیے کوئی قصہ ہونا چاہیے،واضح ترین غلطی ہے۔

چوتھی فصل:

حذف، ایجاز واطناب اور ابدال وتکرار وغیرہ کے بیان میں

اللہ کے کلام کے مرادی معنی سمجھنے میں دشواری پیدا کرنے والی حسب ذیل اشیاء بھی ہیں:

(۱) حذف (۲) ابدال (۳) تقدیم وتاخیر (۴) زیادتیٔ کلام (۵) مشابہات ومحکمات (۶) تعریضات (۷) کنایات (۸) حسی مثالیں (۹) استعارے (۱۰) مجاز عقلی

تفصیل سے گریز کرتے ہوئے ہم ہر ایک پر سہل انداز میں مختصراً روشنی ڈالیں گے؛ ان شاء اللہ!

حذف

حذف کی چند قسمیں ہیں: مضاف کا حذف، موصوف کا حذف، متعلق وغیرہ کا حذف، ان تمام کی چند مثالیں قرآن کی آیتوں سے ملاحظہ کریں: مثالیں:

(۱) "وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ آمَنَ" (البقرہ:۱۷۷) مَنْ آمَنَ سے پہلے "بِرّ" مضاف حذف ہے۔

(۲) "وآتَيْنَا ثَمُوْدَ النَّاقَةَ مُبْصِرَةً" مُبْصِرَةً سے پہلے موصوف "آيَةً" حذف ہے۔ یعنی ہم نے قوم ثمود کو اونٹنی روشن معجزہ کے طور پر دی۔ (بنی اسرائیل ۵۹)

(۳) وَاُشْرِبُوْا فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْعِجْلَ (البقرہ:۹۳) یہاں العجل سے پہلے "حب" حذف ہے، جو مضاف ہے۔

(۴) وَاسْئَلِ الْقَرْيَةَ (یوسف:۸۲) القریة سے پہلے "أهل" مضاف حذف ہے۔

(۵) اِنَّا اَنْزَلْنَاهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ (قدر:۱) هُ ضمیر کا مرجع حذف ہے۔

ابدال

ابدال کے معنی بدل دینا، کسی چیز کو دوسرے کی جگہ پر لانا۔ قرآن میں ابدال بہت واقع ہوا ہے جس کو نہ جاننے سے صحیح معنی سمجھ میں نہیں آتے۔ یہ ابدال کئی طرح کا ہوتا ہے:

کبھی فعل کو دوسرے فعل سے بدلتے ہیں

کبھی اسم کو دوسرے اسم سے بدلتے ہیں

کبھی حرف کو دوسرے حرف سے بدلتے ہیں

کبھی جملے کو دوسرے جملے سے بدلتے ہیں

کبھی نکرہ کو معرفے سے بدلتے ہیں

کبھی مذکر کو مؤنث سے

کبھی واحد کو جمع سے

کبھی تثنیہ کو واحد سے

کبھی شرط و جزا اور جوابِ قسم کو مستقل جملے سے

کبھی انشائیہ جملے کو خبریہ جملے سے۔ وغیرہ وغیرہ

مثالیں: اللہ تعالیٰ نے مختلف اغراض سے ایک فعل کی جگہ دوسرے فعل کو ذکر کیا ہے:

فعل

مثلاً: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "أَهٰذَا الَّذِیْ یَذْکُرُ اٰلِهَتَکُمْ" کیا یہی ہے جو تمہارے معبودوں کو برا بھلا کہتا رہتا ہے۔ یہاں پر اللہ تعالیٰ نے یذکر فعل کو یسبُّ کی جگہ پر ذکر کیا ہے۔

اسم

اسی طرح اللہ تعالیٰ کا قول ہے: "وَ مَا لَهُمْ مِنْ نَاصِرِيْنَ" ۔ ترجمہ: اوران کا کوئی مددگار نہیں ہے ۔ یہاں پر اللہ تعالیٰ نے ایک اسم کی جگہ دوسرا اسم ذکر کیا ہے ۔ یعنی ناصرٌ واحد کی جگہ پر نَاصِرِيْن جمع کو ذکر کیا ہے۔

حرف

ایسا ہی کبھی ایک حرف کی جگہ دوسرے حرف کو اللہ تعالیٰ بیان کرتے ہیں، مثلاً: "وَهُمْ لَهَا سَابِقُوْنَ" (مومنون:۶۱) یہاں پر اِلَيْهَا ' اِلى کی جگہ پر "ل" حرفِ جر کو ذکر کیا ہے۔ وَ هُمْ اِلَيْهَا سَابِقُوْنَ کی جگہ پر وَهُمْ لَهَا سَابِقُوْن کہا ہے۔

جملہ

کبھی ایک جملے کی جگہ پر دوسرا جملہ لاتے ہیں ۔ مثلاً: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "لَمَثُوْبَةٌ عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ" (سورۃ البقرۃ:۱۰۳) یہ جملہ لَوَجَدُوْا ثَوَابًا کی جگہ پر آیا ہے۔

معرفہ

کبھی معرفہ لاتے ہیں، حالانکہ وہ نکرہ لانے کی جگہ تھی ۔ مثلاً: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "حَقُّ الْيَقِيْنِ " یہاں پر حق مضاف معرفہ ہے، اصل میں حقٌ نکرہ موصوف تھا۔

مذکر

کبھی مونث کی جگہ پر مذکر لاتے ہیں، جیسے، اللہ تعالیٰ کا قول ہے: "فَلَمَّا رَاَى الشَّمْسَ بَازِغَةً قَالَ هٰذَا رَبِّىْ، هٰذَا اَكْبَرُ" (انعام:۷۸) یہاں "هٰذِهٖ" کی جگہ پر "هٰذَا "مذکر لائے ہیں۔

تثنیہ

کبھی تثنیہ کی جگہ پر مفرد لاتے ہیں: جیسے اللہ تعالیٰ کا قول: "وَ مَا نَقَمُوْا اِلَّا اَنْ اَغْنَاهُمُ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ" یہاں پر فضلھما کی جگہ پر فضلہ لائے ہیں۔

جواب قسم کی جگہ پر مستقل جملہ

کبھی قسم کے جملوں کے بعد جواب قسم آنے کے بجائے کوئی دوسرا مستقل جملہ لاتے ہیں؛ مثلاً: "وَ النّٰزِعٰتِ غَرْقًا، وَ النّٰشِطٰتِ نَشْطًا، وَ السّٰبِحٰتِ سَبْحًا، فَالسّٰبِقٰتِ سَبْقًا، فَالْمُدَبِّرٰتِ اَمْرًا، یَوْمَ تَرْجُفُ الرَّاجِفَةُ" یہاں پر "البعث والحشر حق" جواب قسم ہے جو بدل کر مستقل جملہ یَوْمَ تَرْجُفُ الرَّاجِفَةُ لائے ہیں۔

غائب

کبھی اسلوبِ کلام میں خطاب کا صیغہ ہوتا ہے، اس کو بدل کر غائب کا صیغہ لاتے ہیں، جیسے "حَتّٰی اِذَا کُنْتُمْ فِی الْفُلْکِ، وَجَرَیْنَ بِهِمْ بِرِیْحٍ طَیِّبَةٍ" (یونس:۲۲) یہاں پر کنتم حاضر وخطاب تھا بِهِمْ غائب سے اس کو بدل دیا۔

جملہ انشائیہ

کبھی اللہ تعالیٰ جملہ خبریہ کی جگہ جملہ انشائیہ ذکر کرتے ہیں اور کبھی اس کا برعکس، جیسے "فَامْشُوْا فِیْ مَنَاکِبِهَا" (الملک:۱۵) یہاں پر امر کا صیغہ فَامْشُوْا جملہ انشائیہ ہے لتمشُوْا فعل مضارع کی جگہ پر۔ یہ جملہ خبریہ ہے۔

تقدیم وتاخیر

تقدیم وتاخیر سے مطلب مشکل ہو جاتا ہے، جیسے ۔

بُثَیْنَةُ شَانُهَا سَلَبَتْ فُؤَادِی

بِلَا جُرْمٍ اَتَیْتُ بِهٖ سَلَامًا

ترجمہ: بُثَیْـنَـة نامی محبوبہ نے میرا دل چھین لیا بلا کسی جرم کے جس کا میں نے ارتکاب کیا ہو، ان کی شان تو سراپا سلامتی ہے۔ یہاں شانہا کے بعد سلاما جو اصل میں سلامٌ خبر ہے، اس کو بہت موخر کر دیا ہے جس سے مطلب مشکل ہو گیا ہے۔

زیادتیٔ کلام

کلام عربی اپنی سادہ طبیعت اور واضح الفاظ سے معنی سمجھ میں آجاتے ہیں اس میں کبھی کسی لطیف مقصد کے پیش نظر کچھ زیادتی اور اضافہ کیا جاتا ہے، جس سے مطلب فہمی میں دشواری ہو جاتی ہے، اسی زیادتی کو سمجھ لینے سے کلام سمجھ میں آجاتا ہے، قرآن کریم میں فصاحت و بلاغت کے پیش نظر ایسا بہت ہوا ہے؛ چند مثالیں ہیں۔

مثالیں:

صفت

کبھی کبھی صفت کو بڑھا دیا جاتا ہے جب کہ بغیر اس کے بھی معنی سمجھ میں آجاتے ہیں، جیسے "وَ لَا طَائِرٍ یَطِیْرُ بِجَنَاحَیْهِ" (انعام ۳۸) یَطِیْرُ بِجَنَاحَیْهِ کے بغیر بھی معنی سمجھ میں آجاتے ہیں، لیکن اس کو زیادہ کر دیا گیا ہے۔

بدل

کبھی بدل لا کر کلام میں زیادتی کی جاتی ہے، جیسے "لِلَّذِیْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِمَنْ آمَنَ مِنْهُمْ" (اعراف:۷۵) اس مثال میں لِلَّذِیْنَ اسْتُضْعِفُوْا مبدل منہ ہے؛ اسی سے معنی سمجھ میں آسکتے ہیں لیکن لِمَنْ آمَنَ مِنْهُمْ سے بدل لا کر کلام میں زیادتی کی گئی ہے۔

عطفِ تفسیری

کبھی کبھی عطفِ تفسیری سے کلام میں زیادتی کی جاتی ہے بغیر عطف کے بھی معنی سمجھ میں آجاتے ہیں، لیکن عطفِ تفسیری لا کر زیادتی کی گئی، جیسے "حَتّٰی اِذَا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَ بَلَغَ اَرْبَعِیْنَ سَنَةً" (احقاف:۱۵) یہاں پر "وَ" تفسیر کے لیے ہے۔

تکرار

کبھی کبھی کلام میں زیادتی، تکرار کے ذریعے ہوتی ہے۔ جیسے قرآن کریم کی آیت: "وَ مَا یَتَّبِعُ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ شُرَكَآءَ، اِنْ یَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ" (یونس:۶۶) یہاں پر "وَمَا یَتَّبِعُ" کے بعد "اِنْ یَّتَّبِعُوْنَ" آیا ہے یہ تکرار ہے، کیوں کہ دونوں کا ایک ہی معنی ہے، "مَا یَتَّبِعُ" میں "مَا" ہے اور "اِنْ یَّتَّبِعُوْنَ" میں "اِنْ" نافیہ ہے۔

حرفِ جر

کبھی حرفِ جر کو فاعل، یا مفعول بہ پر زیادہ لاتے ہیں، جس کا مقصد "تاکیدِ اتصال ہے" ہوتا ہے۔ مثلاً: "یَوْمَ یُحْمٰی عَلَیْهَا" اس مثال میں علی حرف جر زیادہ ہے اصل میں یوم یحمی هی ہے۔

واوِاتصال

واو کو بھی ''تاکیدِ اتصال'' کے لیے زیادہ کیا جاتا ہے، اور ایسا بہت ساری جگہوں پر ہوتا ہے، یہاں واوِ عطف کے لیے نہیں ہوتا ہے۔

مثال:''وَ لِيُمَحِّصَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ آمَنُوْا'' یہاں ''وَ'' تاکیدِ اتصال کے لیے ہے، عطف کے لیے نہیں۔

فائے اتصال

''واو'' کی طرح ''فا'' بھی تاکیدِ اتصال کے لیے آتی ہے، موصوف صفت کے درمیان اتصال کے لیے ''واو'' آتا ہے، یہاں فا بھی آسکتی ہے، مثلاً ''وَ مَا اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ اِلَّا وَ لَهَا كِتَابٌ مَّعْلُوْمٌ'' (حجر:۴)

انتشارِ ضمائر

کبھی ضمیروں کی زیادتی اور مرجع کے مختلف ہونے کی وجہ سے، فہمِ مراد میں دشواری پیدا ہو جاتی ہے۔ مثلاً ''وَ اِنَّهُمْ لَيَصُدُّوْنَهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ، وَ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ''۔

اس آیت میں ''هُمْ'' ضمیر کا مرجع ''شیطان'' ہے اور پھر ''هُمْ'' کا۔ (زخرف ۳۷) مرجع ''اَلنَّاسُ'' ہے؛ اور پھر هُمْ کا مرجع ''اَلنَّاسُ'' ہے۔ اس طرح سے ہونا، انتشارِ ضمائر کہلاتا ہے۔

مختلف المعانی الفاظ

عربی زبان میں کچھ ایسے الفاظ ہیں جن کے معانی، سیاق وسباق اور استعمال کے لحاظ سے بدلتے رہتے ہیں، اسی لیے فہمِ مراد میں دشواری آجاتی ہے، وہ الفاظ یہ ہیں:
(۱) جَعَلَ (۲) شَیْءٌ (۳) اَمْرٌ (۴) خَطْبٌ (۵) نَبَأٌ (۶) خَیْرٌ (۷) شَرٌّ۔
جعل: چناں چہ جعل کبھی خلق کے معنی میں آتا ہے: جیسے "جَعَلَ الظُّلُمَاتِ وَالنُّوْرِ"۔ اسی طرح جعل "اعتقد" کے معنی میں بھی آتا ہے، جیسے "وَجَعَلُوا لِلّٰہِ مِمَّا ذَرَأَ" انہوں نے اللہ کے لیے اس کی مخلوقات میں سے اعتقاد کرلیا.........
شیء: "شیء" فاعل کی جگہ، مفعول بہ، مفعول مطلق وغیرہ کی جگہ استعمال ہوتا ہے۔
امر، خطب، نبأ: یہ الفاظ بھی اپنے سیاق وسباق کے معنی کے اعتبار سے، معنی دیتے ہیں۔
خیر، شر: ان الفاظ کا ترجمہ بھی مقام کے لحاظ سے کریں گے۔

انتشارِ آیات

انتشارِ آیات کا مطلب یہ ہے کہ آیت تو نازل ہوئی ہے پہلے، لیکن تلاوت میں وہ بعد میں آتی ہے۔ مثلاً: "قَدْ نَرٰی تَقَلُّبَ وَجْهِكَ" پہلے نازل ہوئی ہے، اور "سَيَقُوْلُ السُّفَهَاءُ" بعد میں اتری ہے، لیکن تلاوت میں پہلے "سَيَقُوْلُ السُّفَهَاءُ" ہے اور قَدْ نَرٰی ...الخ بعد میں ہے۔

پانچویں فصل:

محکمات، متشابہات، تعریضات، کنایات، حسی مثالیں، استعارات ومجاز عقلی کے بیان میں

محکمات:

محکمات سے وہ آیات مراد ہیں، جن سے زبان جاننے والا، صرف ایک معنی سمجھے۔ فہم سے مراد قدیم عرب کی فہم ہے، ہمارے زمانے کے محققین و مدققین کی فہم نہیں مراد ہے، جو تحقیق کے نام پر صرف بال کی کھال نکالنا جانتے ہیں؛ اس طرح کی تدقیق و تحقیق اور بال کی کھال نکالنا آج کل ایک ایسا لاعلاج مرض بن گیا ہے، جو بجائے کسی نتیجے تک پہونچنے کے، محکم ہی کو متشابہ بنادیتا ہے۔

متشابہات:

یہاں متشابہات سے مراد وہ آیات ہیں، جن میں ایک سے زیادہ معانی کا احتمال ہو۔ مثلاً: اللہ تعالیٰ کا قول ہے: "وَامۡسَحُوۡا بِرُءُوۡسِكُمۡ وَ اَرۡجُلَكُمۡ" (مائدہ:۶)

یہاں پر "وَ اَرۡجُلِكُمۡ" متشابہات کی مثال ہے، اس لیے کہ اس میں ایک سے زیادہ معنی کا احتمال ہے، وہ یہ کہ اس کا عطف قریب پر ہوگا، تو کسرے کے ساتھ وَاَرۡجُلِكُمۡ پڑھیں گے، یہ ایک احتمال ہوا؛ دوسرا احتمال یہ ہے کہ عطف بعید پر ہوگا تو وَ اَرۡجُلَكُمۡ فتحہ کے ساتھ ہوگا۔

اسی طرح لامَسۡتُمۡ کے دو معنی ہیں: جماع اور مس بالید؛ اسی طرح سے "وَ مَا

يَعْلَمُ تَاوِيْلَهُ إِلَّا اللّٰهُ ، وَ الرّٰاسِخُوْنَ فِيْ الْعِلْمِ“ کی آیت میں دو احتمال: ایک وَالرَّاسِخُوْن میں واؤ استیناف کے لیے، دوسرے عطف کے لیے۔ اس طرح کی تمام مثالیں متشابہات کے ضمن میں آتی ہیں۔

تعریضات:

لغوی معنی: صراحت نہ کرنا، اشارے سے بات کہنا۔

اصطلاحی معنی: تعریض کے یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کوئی حکم عام یا حکم غیر مخصوص ذکر کریں جس میں کسی خاص آدمی کی حالت کی طرف اشارہ اور تنبیہ مقصود ہو۔

توضیح: اس کی مزید وضاحت یہ ہے کہ عام الفاظ ذکر کر کے خاص آدمی کے حالات کی طرف اشارہ مقصود ہو اور درمیان میں اس خاص آدمی کی کچھ خاص صفات بھی بتا دی جائیں، تا کہ سننے والا غور کر کے مطلب نکال سکے۔

مثال: اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ”مَا بَالُ أَقْوَامٍ يَفْعَلُوْنَ كَذَا وَ كَذَا“۔

اسی طرح ”وَ مَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ أَمْرًا“ اس آیت میں زینب اور ان کے بھائی کے قصے کی تعریض ہے۔

کنایات:

یہاں پر کنایہ سے مراد یہ ہے کہ کوئی حکم ثابت کیا جائے لیکن اس سے اس حکم کے ثبوت کا بعینہٖ قصد نہ کیا جائے بل کہ یہ قصد ہو کہ مخاطب کا ذہن لازمِ عادی یا لازمِ عقلی کی طرف منتقل ہو جائے۔

مثال: (۱) عَظِيْمُ الرَّمَادِ (۲) بَلْ يَدَاهُ مَبْسُوْطَتَانِ

3

پہلی مثال میں کہا گیا ہے کہ فلان ''عظیم الرماد'' ہے یعنی فلان کے گھر راکھ زیادہ رہتی ہے، یہ حکم بعینہٖ نہیں لگاتا ہے، بل کہ اس کا لازم عادی مراد ہے کہ عادتاً جس کے یہاں راکھ زیادہ ہوگی، تو کھانا زیادہ پکتا ہوگا، کھانا زیادہ پکتا ہے، تو کھانے والے مہمان زیادہ آتے ہیں، تو فلاں کثرت سے ضیافت کرتا ہے۔ یہی معنی ''کہ فلاں کثرت سے ضیافت کرتا ہے'' لازمِ عادی ہیں اور یہی معنی مراد ہیں۔

حسی مثالیں: کسی آدمی کی بہادری بیان کرنا ہے، تو بہادری ایک معنی ہے اس کو حسی یعنی محسوس مثال سے لوگوں کو اس طرح سمجھایا جاتا ہے ''یہ آدمی تلوار اِدھر چلاتا ہے، پھر اُدھر چلاتا ہے''۔

اس مثالِ محسوس سے بہادری کا معنی واضح کرنا مقصود ہوتا ہے، چاہے اس نے زندگی میں ایک مرتبہ بھی تلوار نہ اٹھائی ہو۔

اس طرح کی محسوس مثالیں قرآن کریم میں بے شمار ہیں، مشتے نمونہ از خروارے کے طور پر چند مثالیں پیشِ خدمت ہیں:

قرآن میں محسوس مثالیں:

(۱) "اَجْلِبْ عَلَيْهِمْ بِخَيْلِكَ وَرَجِلِكَ" (الاسراء: ۶۴)

(۲) " وَجَعَلْنَا مِنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ سَدًّا وَّمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا"(یٰس: ۹)

(۳) "وَاِنَّا جَعَلْنَا فِيْ اَعْنَاقِهِمْ اَغْلٰلًا" (یٰس: ۸)

(۴) " وَاضْمُمْ اِلَيْكَ جَنَاحَكَ مِنَ الرَّهْبِ" (القصص: ۳۲)

استعارات ومجازِ عقلی: فعل کو اپنے فاعل کے علاوہ کی طرف مشابہت کے علاقے و نسبت کی وجہ سے منسوب کیا جائے تو اس کو ''استعارہ'' یا ''مجازِ عقلی'' کہتے ہیں۔

جو در حقیقت مفعول بہ نہ ہو اس کو مفعول بہ بنا دینا بھی استعارہ یا مجاز عقلی کہلاتا ہے۔

مثال: بنیٰ الامیرُ القصر — اصل فاعل معمار ہے، الامیر کو فاعل بنا دیا۔

انبت الربیع البقل — اصل فاعل اللہ ہے، الربیع کو فاعل بنا دیا۔

تیسرا باب:

اسلوبِ قرآنی کا بیان

اللہ کی کتاب، قرآن کریم، آخری آسمانی کتاب ہے، جو بندگانِ خدا کو خواہشاتِ نفسانی اور کفر و شرک کی تاریکیوں سے نکالتی ہے، اور توحید و رسالت اور آخرت کے انوار عطا کرتی ہے۔ قرآن کریم میں پانچ علوم بیان کیے گئے ہیں جن کا ذکر پچھلے صفحات میں آچکا ہے، قرآن کریم کو ایک سو چودہ چھوٹی بڑی سورتوں میں تقسیم کیا گیا ہے، پھر ۶۶۶۶/ آیتوں میں تقسیم کیا گیا ہے، جن میں چھوٹی بڑی تمام طرح کی آیات ہیں، نیز ان باتوں کو بیان کرنے کے لیے نہایت موثر اسلوب اور انوکھا انداز اختیار کیا ہے، پھر ایسا انداز کہ جس سے قرآن کا اعجاز ظاہر ہو۔ ان تمام چیزوں کی قدرے تفصیلی وضاحت کے لیے ذیل میں ہم ۴/ فصلیں قائم کریں گے:

پہلی فصل	:	قرآن کی ترتیب اور سورتوں کا اسلوب
دوسری فصل	:	سورتوں کی آیات میں تقسیم
تیسری فصل	:	علوم خمسہ کی عدم ترتیب
چوتھی فصل	:	اعجازِ قرآنی کا بیان

پہلی فصل:

قرآن کی ترتیب اور سورتوں کا اسلوب

اللہ کی کتاب قرآن میں، آپ عام کتابوں کی طرح ،ابواب اور فصلیں نہیں پائیں گے کہ ایک خاص طرح کا مضمون خاص باب میں اور ایک دوسری نوعیت کا مضمون ایک خاص فصل میں مل جائے۔

بل کہ قرآن کریم مکتوبات وپیغامات کے مجموعے کی مانند ہے۔جیسا کہ دنیا میں طریقہ ہے کہ وقت کا بادشاہ اپنے عوام کے لیے خاص حالات میں ایک فرمان جاری کرتا ہے، پھر دوسرے حالات میں دوسرا فرمان، تیسرے میں تیسرا۔اس طرح بہت سارے فرامین ومکتوبات جمع ہو جاتے ہیں، اس حالت میں کوئی شخص ان تمام فرامین ومکتوبات کو کتابی شکل میں جمع کر لیتا ہے۔

اسی طرح اللہ تعالی نے اپنے بندوں کو مختلف حالات میں مختلف طرح کے فرامین وپیغامات جبرئیل امین علیہ السلام کے واسطے سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر بھیجے ہیں جن کا مجموعہ ''قرآن کریم'' ہے۔

یہی قرآن کریم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں علیحدہ محفوظ کیا گیا، پھر ابوبکرؓ وعمرؓ کے زمانے میں تمام سورتوں کو خاص ترتیب سے ایک ہی جلد میں مدون ومحفوظ کیا گیا جس کو ''مصحف قرآنی'' کہتے ہیں۔

سورتوں کی اقسام:

صحابہ ہی کے زمانے میں سورتوں کی ۴/اقسام سمجھی جاتی تھیں:

(۱) السبع الطول (۲) المئون (۳)المثانی (۴)المفصل

السبع الطول : قرآن کی سب سے لمبی لمبی سورتیں۔

المئون : ایسی سورتیں جن میں ۱۰۰/ یا اس سے کچھ زائد آیات ہوں۔

المثاني : ایسی سورتیں جن میں ۱۰۰/ سے کم آیات ہوں۔

المفصل : ایسی سورتیں جن میں مثانی سے بھی کم آیات ہوں۔

مصحفِ عثمانیؓ:

حضرتِ عثمان غنیؓ نے ابوبکرؓ وعمرؓ کے زمانے کے مصحف کو مختلف نسخوں میں تیار کرایا۔ پھر مختلف علاقوں میں بھیجا تاکہ مسلمان اسی نسخے کو پڑھیں۔

سورتوں کا آغاز واختتام:

بادشاہوں کے خطوط وفرامین اور قرآن کی سورتوں میں کافی مناسبت پائی جاتی ہے۔ بادشاہوں کے مکاتیب میں ابتدائی باتیں جس طرح ہوتی ہیں قرآن کریم کی سورتوں کو بھی اسی طرح شروع کیا گیا ہے۔ شاہی فرامین جیسے ختم ہوتے ہیں، قرآنی سورتیں بھی اسی طرح ختم کی گئی ہیں۔

چناں چہ آپ دیکھتے ہوں گے کہ بعض فرامین واحکام، اللہ کی حمد سے شروع ہوتے ہیں، بعض خطوط میں مرسل اور مرسل الیہ کا ذکر ہوتا ہے، بعض میں مقصود املا کرانا ہوتا ہے۔ بعض کسی رقعے پر، یا کسی کاغذ کے ٹکڑے پر جلدی سے، مختصراً بلا عنوان، لکھ دے جاتے ہیں، بعض طویل بھی ہوتے ہیں۔

بالکل اسی طرح قرآن کریم کی سورتیں ہیں، بعض کا آغاز حمد و تسبیح سے ہوتا ہے؛ بعض کو اللہ تعالیٰ نے نزولِ قرآن کی غرض سے شروع فرمایا ہے۔

دیکھئے! سورہ بقرہ شروع ہو رہی ہے: "ذٰلِکَ الْکِتَابُ لَا رَیْبَ فِیْهِ هُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ" سے۔ سورہ نور کا آغاز اس طرح ہو رہا ہے۔ "سُوْرَةٌ اَنْزَلْنَاهَا وَ فَرَضْنَاهَا"۔ بعض سورتیں مرسل اور مُرسَل الیہ کے ذکر سے شروع ہو رہی ہیں، جیسے "تَنْزِیْلُ الْکِتَابِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِیْزِ الْحَکِیْمِ"۔ (جاثیہ:۲)

بعض سورتیں بغیر عنوان کے، رُقعہ لکھنے کے انداز پر شروع کی گئی ہیں؛ جیسے سورہ منافقون "اِذَا جَاءَکَ الْمُنَافِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّکَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ"۔ سورہ مجادلہ " قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِیْ تُجَادِلُکَ فِیْ زَوْجِهَا"۔ سورہ تحریم "یٰاَیُّهَا النَّبِیُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا اَحَلَّ اللّٰهُ لَکَ تَبْتَغِیْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِکَ"۔

قصیدوں کا منہج بھی ملحوظ:

عرب کی فصاحت و بلاغت کا معیار ان کے عربی قصیدے تھے، جن کو تفاخر کے لیے دیوارِ کعبہ پر بھی لٹکا دیتے تھے۔

ان قصیدوں کے آغاز میں یہ لوگ دوشیزاؤں کے حسن و جمال کا تذکرہ کرتے۔ پھر دوسری باتیں قصیدوں میں بیان کرتے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے مُعجز کلام کی بہت ساری سورتوں میں اسی طرز و اسلوب کو اپنایا ہے جس کو عرب دیکھ کر انگشت بدنداں تھے کہ طرز تو عرب کے قصیدوں میں تشبیب جیسا یعنی عورتوں کا جیسے ذکر کیا گیا ہے، لیکن وہاں دور دور تک عورت کا کوئی ذکر نہیں۔ وہاں تو توحیدِ باری، قدرتِ خداوندی اور خدا کی عظمت و جلال کا ذکر ہے۔

مثلاً: وَالصّٰٓفّٰتِ صَفًّا، فَالزّٰجِرٰتِ زَجْرًا ۔ آیت "اَلصّٰٓفّٰتُ" اور

"وَالزَّاجِرَاتِ" کے صیغے سے الف اور لمبی تا کی وجہ سے عرب سمجھتے کہ عورتوں کا ذکر یعنی تشبیب یہاں بھی تو ہے، لیکن جب پتہ چلتا کہ نہیں یہاں تو فرشتوں کا ذکر ہے جو کبھی صف بستہ ہوتے ہیں اور کبھی دوسرے کاموں میں مصروف ہوتے ہیں۔ اسی طرح "وَالذّٰرِيٰتِ ذَرْوًا اور اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ" والی آیات بھی ہیں۔

خاتمہ سورت:

بادشاہ جیسے اپنے فرمان پر عمل کرانے کے مقصد سے فرمان کے اخیر میں، کبھی نصیحت، کبھی دھمکی اور کبھی جوامع الکلم لاتے ہیں؛ انسانوں کو سمجھانے کے لیے اللہ تعالیٰ بھی سورتوں کے ختم پر یہ طرز اختیار کیا ہے۔

درمیانِ سورت میں کلامِ بلیغ کا استعمال:

کبھی کبھی اللہ تعالیٰ درمیان سورت میں کلامِ بلیغ لاتے ہیں جس میں تحمید و تسبیح اور تعظیم و احسان کا عظیم ترین فائدہ اسلوبِ بدیع میں بیان فرماتے ہیں۔ جیسے خالق مخلوق کے مرتبے کا تضاد بیان کرنا شروع کیا تھا یہ فرماتے ہوئے کہ "قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ، وَ سَلٰمٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى، آللّٰهُ خَيْرٌ اَمَّا يُشْرِكُوْنَ" (نمل:۵۹) پھر آگے ۵ آیات ہیں نہایت بلیغ انداز میں اس موضوع کو بتایا۔

مخاصمے کی ابتدا اور انتہا میں کلامِ بلیغ:

کبھی کبھی اللہ نے کسی سورت کے درمیان مخاصمہ کو ایک کلام سے شروع کیا ہے، تو جب سورت میں مخاصمہ کو ختم کیا ہے تو پھر اسی کلام سے ختم کیا ہے جس سے شروع کیا تھا۔

مثلاً: "يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا" سے مخاصمہ شروع ہوا ہے، پھر اسی کلام سے آگے چل کر ختم بھی ہوا ہے۔

دوسری فصل:

سورتوں کی آیات میں تقسیم کا بیان

پورے قرآن کریم میں اہل السنۃ والجماعۃ کے نزدیک ۶۶۶۶، آیات ہیں (اگرچہ شیعہ فرقے کے نزدیک ایک قول کے مطابق ۱۲ ر ہزار اور دوسرے قول کے اعتبار سے ۱۸ ر ہزار آیتیں قرآن کریم میں ہیں، لیکن ان کا کوئی اعتبار نہیں)۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی پوری کتاب کو ۱۱۴ ر سورتوں میں تقسیم کیا ہے پھر چھوٹی بڑی سورت کے اعتبار سے سورتوں کو آیتوں میں تقسیم کیا ہے۔

چوں کہ عربوں کے سامنے قرآن نازل ہو رہا تھا، وہ لوگ قصیدہ گوئی میں طاق تھے، وہ اپنے قصیدے ابیات واشعار میں تقسیم کرتے، تو اللہ نے کلام نثر کو آیات میں تقسیم کر کے ان کو چیلنج کیا ہے۔

آیات وابیات میں فرق:

آیاتِ قرآنیہ اور اشعار وابیات میں ایک چیز قدر مشترک ہے، یعنی دونوں میں پائی جاتی ہے، وہ یہ ہے کہ آیات وابیات دونوں سے متکلم اور سامع لذت حاصل کرتے ہیں، ترانے سے جو لطف ملتا ہے وہ آیت اور بیت دونوں کے پڑھنے اور سننے سے ملتا ہے۔

البتہ دونوں میں فرق یہ ہے کہ ابیات واشعار، عروض وقافیے کے پابند ہوتے ہیں، جن کو خلیل بن احمد نحوی نے مدون کیا تھا، پھر شعراء نقل کرتے رہے ہیں۔ لیکن آیت قرآنی میں صرف اجمالی وزن وقافیہ ہوتا ہے، اشعار کے اوزان وقوافی نہیں ہوتے۔

آیات وابیات میں قدر مشترک چیز:

آیات وابیات میں قدر مشترک چیز ''التوافق التقریبی'' ہے جس کو لذت اندوزی کا ذریعہ مانا جاتا ہے۔

اس کی قدرے تفصیل یہ ہے کہ انسان کی فطرت سلیمہ اپنے خلقی ذوق سے خوبصورت قصیدوں اور موزوں کلام سے مٹھاس اور حلاوت محسوس کرتی ہے، اور اگر کوئی غور کرے کہ یہ مٹھاس کہاں سے محسوس ہوتی ہے تو پتہ چلے گا کہ یہ مٹھاس اور حلاوت مخاطب کو ہر اس کلام سے حاصل ہوتی ہے جس کے اجزا ایک دوسرے کے موافق، متوازن اور معتدل ہوں، اس طرح کا متوازن کلام سن کر انسان ہر دم ایسا ہی متوازن کلام سننے کا منتظر رہتا ہے، اور جب اسی طرح کا کلام سن لیتا ہے تو اس کی مراد پوری ہوجاتی ہے اور لذت دوبالا ہوجاتی ہے کیوں کہ جب دو شعر باہم ایک قافیے میں مشترک ہوں تو لذت کئی گنا بڑھ جانا یقینی ہے۔

بعد ازاں اجزائے ابیات میں توافق وتوازن کے سلسلے میں مختلف خیالات و مذاہب پیدا ہوگئے، قافیہ کی شرائط میں اختلافات نے جنم لیا، عربوں کے نزدیک اس کے لیے وہ اصول وضوابط بنیاد قرار پائے جنھیں خلیل بن احمد نحویؒ نے بیان وایجاد کیے، ہندوستانیوں کے الگ قواعد بنے جن کو اس کی شاعرانہ طبیعت نے پسند کیا، اس طرح ہر زمانے کے لوگوں نے اپنی اپنی الگ وادی بنائی۔

قرآن کریم نے مشترک اجمالی حسن کی رعایت کی:

اللہ تعالیٰ نے مٹی سے بنے ہوئے انسان کو جب اپنے احکام کا مخاطب بنایا ہے، تو اس کے لیے جس کلام کا انتخاب کیا ہے وہ مشترک اجمالی حسن پر مشتمل ہے، اس کلام میں

2

اللہ تعالیٰ نے ایسے قواعد کا لحاظ نہیں کیا ہے جو بعض لوگوں کے نزدیک تو پسندیدہ ہیں اور بعض لوگوں کے نزدیک ناپسندیدہ، کیوں کہ اگر ان قواعد کا لحاظ کیا جاتا تو زمانے اور افراد کے بدلنے سے وہ قواعد بھی بدلتے اور اسلوبِ قرآن پرانا ہو جاتا۔

ایک قاعدہ:

اللہ تعالیٰ قرآن کی سورتوں میں سانس کے پھیلاؤ یا امتدادِ نفس کا لحاظ کیا ہے اشعار کی طویل و مختصر بحروں کا خیال نہیں کیا ہے، اور قافیہ و فواصل میں حروف مدہ پر سانس ٹوٹنے کا اعتبار کیا ہے فن قافیہ کے نشیب و فراز کا خیال نہیں کیا ہے۔

قرآن کریم کا وزن امتدادِ نفسی ہے:

حلقوم میں سانس کی آمد و رفت ایک امر طبعی ہے سانس کا چھوٹا بڑا کرنا بھی انسان کی قدرت میں ہے اگر سانس کو اصلی حالت پر چھوڑ دیں تو ہر انسان کی سانس کا امتداد محدود ہوگا اور الگ الگ حد امتداد ہوگی۔

اس پر مستزاد یہ کہ ہر انسان کے تھی سانس پر اس کو دو تین کلمے بڑھا لینا یا گھٹا لینا بھی ممکن ہوتا ہے، اس لیے تمام انسانوں کی سانس کا امتداد الگ الگ اور بے شمار ہوگا، اس لیے مختصر کر کے امتدادِ نفسی کو تین قسموں میں بانٹا گیا ہے:

۱۔ امتدادِ نفسی طویل ۲۔ امتدادِ نفسی متوسط ۳۔ امتدادِ نفسی قصیر

۱۔ طویل: طویل کی مثال سورۂ نساء ہے۔

۲۔ متوسط: متوسط کی مثال سورۂ اعراف اور انعام ہے۔

۳۔ قصیر: قصیر کی مثال سورۂ شعراء اور الدخان ہے۔

قرآن کریم کا قافیہ حروف مدہ پر سانس کا ٹوٹنا ہے:

قرآن کریم کا قافیہ بڑا وسیع ہے، حروفِ مدہ جس پر قاری کا سانس ٹوٹ جائے وہی قرآن کا قافیہ ہے۔ جس کے اعادے اور تکرار سے خاص لطف ملتا ہے، یہ حروف مدہ کہیں الف کہیں یا اور کہیں واؤ ہوتے ہیں؛ ان تینوں حروف سے پہلے چاہے ''میم'' ہو، چاہے ''قاف'' ہو، چاہے راء ہو؛ سب ایک دوسرے کے موافق اور ایک ہی قاعدے پر جانے جائیں گے۔

مثال: يَعْمَلُوْنَ، مُؤْمِنِيْنَ، مُسْتَقِيمَ، خُرُوْجَ، مَرِيْجَ، تَحِيْدُ، تَبَارُ، فَوَاقِ، عَجَابٌ۔

ان تمام مثالوں میں واو، الف، یا حروف مدہ سے پہلے الگ الگ حروف ہیں، يَعْلَمُوْنَ میں واؤ سے پہلے میم، مؤمنین میں یا سے پہلے ''ن'' اور مستقیم میں یا سے پہلے قاف۔ یہ تمام ایک ہی قاعدے پر مانے جائیں گے۔

کلمے کے آخر میں الف آنا:

کَرِيْمًا، حَدِيْثًا، بَصِيْرًا جیسے الفاظ میں جو الف آ رہا ہے، یہ بھی قرآن کا قافیہ ہے، اس کے بار بار پڑھنے میں لذت ہے۔

آیات کا توافق ایک حرف پر اور ایک ہی جملے کا اعادہ:

قرآن کی آیات کا ایک ہی حرف پر توافق جیسے کہ سورۂ رحمٰن میں ''نون'' پر؛ اور سورۂ محمد میں ''میم'' پر ہو رہا ہے، یہ بھی مٹھاس اور معنوی لذت دیتا ہے؛ اسی طرح سورۂ شعراء سورۂ قمر سورۂ الرحمٰن اور مرسلات میں ایک ہی جملے کا بار بار اعادہ لذت معنوی کا بھرپور فائدہ دے رہا ہے۔

3

آخرِ سورت کے فواصل کا اولِ سورت سے مختلف ہونا:

کلام کی لطافت اور سامع کو نشاط بخشنے کے خاطر قران میں کبھی کسی سورت کے اول میں جو قافیے اور فواصل ہوتے ہیں سورت کے آخر میں وہ نہیں ہوتے ،انہیں بدل کر دوسرا قافیہ اور فاصلہ لے آتے ہیں ۔مثلاً سورۂ مریم میں شروع میں قافیہ اس طرح تھا ......لتشقٰی...... لِمَنْ یَّخْشٰی، العُلٰی ؛آخر میں بدل کر اِدًّا ،ھَدًّا ہو گیا۔

فواصل میں قرآن کا منہج ،نئے اوزان وقافیے کی قرآن میں ضرورت کیوں؟

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں وہ اوزان وقافیے کیوں نہ ذکر کیے جو شعراء کے نزدیک معتبر اور پڑھنے سننے میں لذیذ تر معلوم ہوتے ہیں؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ شعراء کے اوزان وقوافی اگر چہ لذیذ تر ہیں لیکن اقوام وازمان کے بدلنے سے ان کی لذت بھی بدل جاتی ہے؛ اور یہ تبدیلی قرآن کے لیے عیب ہو جاتی، دوسرے زمانوں کے لوگ گزشتہ اوزان وقوافی کی لذت کو محسوس نہ کرتے تو قرآن کو بے کیف کہتے۔

دوسرا جواب یہ ہے کے ایک نئے وزن و نئے قافیے کے ساتھ قرآن کریم کا ایک اُمّی رسول کا پیش کرنا اس کی رسالت کی بہت بڑی دلیل ہے ۔اگر قرآن کریم انہیں کے قدیم اوزان وقوافی پر اترتا تو کفار سمجھتے کہ یہ تو وہی قدیم شعر ،قدیم وزن اور قدیم قافیہ ہے،تو اس سے ان کو،کوئی نیا فائدہ حاصل نہ ہوتا۔

نیز یہ فصحاء وبلغاء کی عادت رہی ہے کہ اپنے مضامین اور اپنے اشعار میں کوئی نئی صنعت اختیار کریں تا کہ اپنے ہم مثلوں وہم عمروں پر ان کی فوقیت واضح ہو سکے۔

قرآن میں خطباء وحکماء کے طرز پر آیتیں:

قرآن نے بعض سورتوں اور بعض آیتوں میں اپنے عمومی طرز کو چھوڑ کر عرب کے خطباء کی خطابات کا انداز اختیار کیا ہے۔ بعض جگہ قرآن نے حکماء کے ضرب الامثال کا طرز اپنایا ہے۔ بعض سورتوں میں عرب کے رسائل ومکاتیب کا اسلوب ملحوظ رکھا ہے۔ البتہ کلام کو نہایت سلیقے سے ختم کرنے کے انداز ہی پر ختم کیا ہے۔

تیسری فصل:

علوم خمسہ کے تکرار اور عدم ترتیب کے بیان میں

سوال: علوم خمسہ کو قرآن میں بار بار مختلف مقامات پر کیوں بیان کیا گیا؟
جواب: کسی خبر سے دو فائدے مقصود ہوتے ہیں۔
(۱) فائدہ خبر: یعنی مخاطب کچھ نہیں جانتا تھا، اس کو خبر دے کر مطلع کیا گیا۔ (۲) دوسرا فائدہ کسی خبر سے یہ ہوتا ہے کہ اس علم کی صورت کا قوت مدرکہ میں استحضار مقصود ہوتا ہے تاکہ اس سے مکمل لطف اندوزی ہو سکے۔ جیسے کوئی ایسا شعر ہو جس کا مطلب ہم جانتے ہیں تو اس کو بار بار پڑھنے اور دہرانے سے ہر مرتبہ نئی لذت ملتی ہے۔

قرآن کریم میں علوم خمسہ بار بار اسی لیے آئے ہیں کہ اس سے دونوں گذشتہ فائدے مطلوب ہیں۔ یعنی جو بات یا حکم پہلے سے معلوم نہیں تھا اس کا علم ہو گیا اور اس علم کی صورت کے استحضار سے لذت ملے گی۔ علم الاحکام میں تو صرف پہلا فائدہ مطلوب

ہے؛ بقیہ چاروں اقسام میں دونوں فائدے مطلوب ہیں؛ اسی لیے کثرت سے تلاوت کا حکم ہے، تاکہ نئے نئے اسلوب، لذیذ وبے معانی نصوص تروتازہ اور باروق عبارت، موثر فی النفس لہجہ اور ذہن کو آواز دینے والے مفاہیم زبان وذہن کی بندکڑیوں کو وا کرتے رہیں اور کلام الٰہی سے لذت اندوزی دونوں جہاں کی بہاروں کے کھینچ لائے۔

سوال: علوم خمسہ کو بالترتیب کیوں نہیں ذکر کیا گیا کہ پہلے آلاء اللہ کا ذکر کرتے، اس کی تفصیل مکمل ہونے کے بعد ایام اللہ کو ذکر کرتے، پھر تذکیر بالموت کو، پھر "علم الاحکام" کو؟

جواب: اس کے ۲؍ جواب ہیں: پہلا جواب یہ ہے کہ محض افادہ خبر مقصود نہ تھا، استحضار صورت اور لذت بھی مطلوب تھی جس کے لیے عدم ترتیب ہی ضروری تھی۔

دوسرا جواب یہ ہے قرآن کے نزول کے وقت عربوں کے پاس نہ کوئی آسمانی کتاب تھی، نہ کوئی بشری تصنیف، صرف قصیدے تھے جس میں بلاترتیب و تامل سچی بات کو نقل کردینے کا اسلوب تھا اللہ تعالیٰ نے اس اسلوب کو عربوں کے مقتضائے حال کی رعایت میں ذکر کیا ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مکاتیب اور حضرت عمر کے خطوط اس کی دلیل ہیں۔ اس اسلوب پر اگر نزولِ قرآن نہ ہوتا، تو وہ لوگ حیرت میں پڑ جاتے، اور ذہنی تشویش ہوتی۔

چوتھی فصل:

قرآن کریم کے وجوہِ اعجاز کے بیان میں

قرآن کریم اللہ کی کتاب ہے اور آخری کتاب ۔اس طرح کی کوئی کتاب خدا کے علاوہ کوئی دوسرا کیسے لاسکتا ہے۔عاجز رہے گا خدا کی کتاب معجز ہے، عاجز بنانے والی۔

اب یہاں سوال اٹھتا ہے کہ آخراس کتاب میں عاجز بنانے والی کیا چیزیں ہیں؟ کیا اسباب ووجوہ ہے جن کی وجہ سے یہ کتاب مُعجز ہے؟ تواس کا جواب حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی علیہ الرحمہ (١١١۴ھ -١١٧٦ھ) نے اپنی معرکۃ الآراء کتاب الفوزالکبیر فی اصول التفسیر میں صفحہ١٠١ر پر دیتے ہوئے لکھا ہے کہ میرے نزدیک محقق پانچ اسبابِ اعجاز یادرکھنے کے لائق ہیں۔

(١) الأسلوب البديع

(٢) الأخبارعن القصص الماضيه و أحكام الملل السابقه

(٣) الأخبار بالأحوال الآتيه

(۴) الدرجة العليا من البلاغة

(۵) وجه للمتدبرين في اسرار الشرائع

١۔ الأسلوب البديع :

عربوں میں عربی زبان کے ۴ر اسلوب رائج تھے:

١رقصیدے۔ ٢رخطبے۔ ٣ررسائل۔ ۴رمحاورات

ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک پانچواں اسلوب قرآن کی شکل میں پیش کیا۔آپ امی تھے پھر بھی ایک نیا اسلوب پیش کرنا عین اعجاز ہے۔

۲۔ الإخبار عن القصص:

نبی امی کی زبان پر ماضی کے واقعات اور گزشتہ قوموں کے حالات کا جاری ہونا بھی قرآن کریم کا معجزہ ہے۔

(۳) مستقبل کے حالات کی خبر دینا' جب بعد میں اسی طرح واقع ہوجاتا ہے تو قرآن کا نیا اعجاز ظاہر ہوجاتا ہے۔

(۴) انسان کی قدرت سے باہر اعلیٰ درجے کی بلاغت کا انسان سے ظاہر ہونا، یہ بھی قرآن کریم کا سبب اعجاز ہے۔مثلاً: قرآن نے جن جامع اور فصیح الفاظ کو اور جن شیریں اور پاکیزہ عبارات کو استعمال کیا ہے وہ انسان کی قدرت سے باہر کی چیز ہے، متقدمین و متاخرین کی کسی عبارت میں اس کو آپ نہیں پاسکتے۔

اسی طرح تذکیر ثلاثہ اور مخاصمۃ کی اقسام میں ہر مقام کے مطابق سورتوں کے اسلوب کی رعایت کے ساتھ کلام کرنا اعلیٰ درجے کی بلاغت ہے۔انبیائے کرام کے قصوں کو سورۂ اعراف' ہود' شعراء' الصافات اور الذاریات ان تمام سورتوں میں پڑھیے تو آپ کو ہر جگہ، ہر سورت میں الگ الگ انداز نظر آئے گا۔

مجرمین کی سزا اور نیک بندوں کے انعام کا ذکر ہر جگہ نئے اسلوب، جدید انداز اور انوکھے پیرائے میں پائیں گے۔اسی طرح مقتضائے حال کی رعایت کنایات و استعارات کا استعمال قرآن میں، اعلیٰ درجے میں پایا جاتا ہے جو انسانی قدرت سے دور ہے۔اللہ ہی کی قدرت میں ہے۔

یزید ک وجھہ حسنا

إذا ما زدتہ نظرا

اس کا حسن تمہاری نظر میں ہر پل بڑھتا ہوا معلوم ہوگا

جب بھی تم اس کو دیکھو گے اور دیکھتے رہو گے۔

(۵) کسی فن کا ماہر اپنے فن کی بات صحیح بتا سکتا ہے، ماہر طب ''قانون'' نامی کتاب کی صحیح بات بتا سکتا ہے۔ اسی طرح شریعت کے اسرار ورموز سے واقف ہی بتا سکتا ہے کہ کتنے سلیقے سے نفوس انسانی کی تہذیب واصلاح کا کام قرآن کریم میں کیا گیا ہے کہ ہر چیز بالکل متوازن، معتدل، برمحل اور مضبوط ہے۔

آفتاب آمد دلیلِ آفتاب

گر دلیلت بایدت رو ازوے متاب

چوتھا باب:

مناہجِ تفسیر کا بیان

اللہ کے کلام کی اصل مراد تک پہونچنا "تفسیر" کہلاتا ہے، اصل مراد تک پہونچنے کے علمائے امت نے مختلف نہج اور مختلف پہلو اختیار کیے ہیں اور بڑی جاں گسل محنت کی ہے۔ اسی لیے تفسیر کے مناہج اور مرادِ خداوندی تک پہنچنے کے اسلوب بہت ہو گئے ہیں اور مختلف مباحث پیدا ہو گئے ہیں، ان تمام مباحث کو یہاں ۴ر فصلوں میں بیان کیا جائے گا۔

ان شاء اللہ!

پہلی فصل: محدثین کی تفسیر اور اس کے متعلقات کے بیان میں۔

دوسری فصل: استنباطِ احکام، فنِ توجیہ اور اعتبار کے بیان میں۔

تیسری فصل: غرائب القرآن کے بیان میں۔

چوتھی فصل: بعض علوم وہبی کے بیان میں۔

مفسرین کی اقسام

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ (۱۱۱۴ ۱۱۷۶ھ) نے اپنی کتاب ''الفوز الکبیر'' میں مفسرین کی ۷/ اقسام بتلائی ہیں، پھر تفسیر کے میدان کو وسیع فرما کر اور اقسام کی گنجائش نکالی ہے، چناں چہ فرماتے ہیں:

۱..... محدثین کی جماعت:

محدثین کی جماعت بھی مفسرین کی ایک قسم ہے، یہ جماعت آیات قرآنیہ کے مناسب احادیث نقل کرتی ہے، ان احادیث میں حدیث مرفوع، حدیثِ موقوف حدیث مقطوع اور اسرائیلی روایات بھی ہوتی ہیں۔

۲..... متکلمین کی جماعت:

متکلمین بھی مفسرین میں شامل ہیں، ان کا کام یہ ہے کہ صفات واسماء الٰہی کی تاویل کرتے ہیں، صفات متشابہات میں جو تاویل اہل سنت والجماعت کے مذہب کے موافق نہیں ہوتی اس کو ظاہر معنی سے پھیر دیتے ہیں اور مخالفین کے بعض قرآنی استدلالات کا جواب دیتے ہیں۔

۳..... فقہائے اصولیین کی جماعت:

فقہائے اصولیین کی جماعت بھی مفسرین میں شامل ہے۔ ان حضرات کی توجہ احکامِ فقہیہ کے استنباط کی طرف ہوتی ہے، ایک اجتہاد کو دوسرے پر ترجیح دینا اور مخالفین کے استدلال کا جواب دینا بھی ان کا مشغلہ ہے۔

۴......نحوی لغوی حضرات:

یہ بھی مفسرین میں شمار کیے جاتے ہیں، ان کا مشغلہ ہے قرآن کے اعراب اور لغات کو حل کرنا اور کلامِ عرب سے ہر باب میں مکمل اور تام دلائل و شواہد فراہم کرنا۔

۵......ادباء کی جماعت:

اس جماعت کا کام یہ ہے کہ یہ حضرات قرآنی آیات کے معانی، اس کے نکات اور اس کا مکمل بیان پیش کرتے ہیں۔ اس سلسلے میں انہیں فخر ہے۔

۶......قرّائے کرام:

یہ بھی تفسیر کرتے ہیں، ان کا مشغلہ یہ ہے کہ اپنے شیوخ سے ماثور قرأت کی روایت کا اہتمام کرتے ہیں، اور اس باب کی تمام چھوٹی بڑی باتیں ذکر کرتے ہیں۔

۷......صوفیائے کرام:

یہ بھی مفسرین میں شامل ہیں یہ حضرات علم تصوف وسلوک یا علم الحقائق و الاحسان سے متعلق جملہ علوم کو آیت کی ادنیٰ مناسبت سے بھی ذکر کرتے ہیں۔

جوامع التفاسیر:

بعض علمائے امت نے گذشتہ تمام تفسیروں کو ایک ساتھ ذکر کیا ہے، ان کی تفسیر ''جامع التفاسیر'' کہلاتی ہے۔ ایسی کتابیں عربی، فارسی اور اردو میں بھی موجود ہیں، بیان القرآن از حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی علیہ الرحمۃ (۱۲۸۰ھ-۱۳۶۲ھ) کو جامع التفاسیر کہا جانے کا پورا حق حاصل ہے جو اردو میں ہے۔ بعض نے اس کے ساتھ مطول و مختصر دونوں طرح کی تفسیریں لکھی ہیں۔

پہلی فصل:

محدثین کی تفسیر اور اس کے متعلقات کے بیان

کتبِ تفسیر میں جتنی حدیثیں مروی ہیں ان میں سے ایک حصہ شانِ نزول کے بیان سے متعلق ہے، شانِ نزول کی دو قسمیں ہیں اول یہ کہ کوئی ایسا واقعہ پیش آئے جس میں مومنوں کا ایمان اور منافقوں کا نفاق جانچا جائے۔ جیسا کہ غزوہ احد اور غزوہ احزاب میں ہوا ہے، تو اللہ نے مومنین کی تعریف اور منافقوں کی مذمت میں آیات نازل فرمائیں، تاکہ دونوں جماعت الگ الگ ہو جائے اور واقعے کے درمیان کچھ اشارے اور تعریضات اپنی خصوصیات کے ساتھ وارد ہوتی ہیں، تو حادثے اور واقعے کی مختصر انداز میں تشریح ضروری ہوتی ہے تاکہ سیاق کلام قاری پر واضح ہو جائے۔ دوسرے یہ کہ آیت کا معنی اپنے صیغے کے عموم کی وجہ سے عام وتام ہو، اس قصہ کی جاننے کی ضرورت نہ ہو جو شانِ نزول ہے کیوں کہ "**العبرة لعموم اللفظ لالخصوص السبب**" ایسے مقام پر شانِ نزول والے قصے کی ضرورت نہیں ہوتی لیکن متقدمین مفسرین ایسے مقام پر بھی قصے کو عموم آیت کا مصداق ہونے کی بنا پر ذکر کر دیتے ہیں۔

تفسیر میں بچنے کی باتیں:

قرآن کریم میں بعض قصے اشارتاً مذکور ہوتے ہیں جس کو مفسرین خوب بڑھا چڑھا کر اور اسرائیلیات سے یا سیرت کی کتابوں میں جزئی تفصیلات لے کر خوب تفصیل سے بیان کرتے ہیں، یہ تفصیل قابل احتراز ہے۔ ہاں اگر تفصیلِ قصہ ہی سے آیت کی تفسیر

سمجھ میں آئے ،تو مفسر و مدرس پر لازم ہے کہ اس جگہ قصے کی تفصیل کرے، لیکن اس میں بے مقصد جزئی تفصیلات، مثلاً: بنی اسرائیل نے گائے ذبح کی یا بیل، اصحاب کہف کے کتے کا رنگ لال تھا یا چتکبرا؛ یہ سب بے معنی تفصیل ہے، صحابہ اس کو ناپسند فرماتے اور وقت کا ضیاع تصور کرتے۔

متقدمین علی سبیل الاحتمال بھی تفسیر کرتے ہیں:

متقدمین مفسرین بسا اوقات احتمالی تفسیر کرتے ہیں، اس کی تفصیل کے لیے دو باتیں ذہن نشین کر لینا چاہیے: ا: تفسیر میں کسی آیت کا مفہوم بتانے کے لیے جو قصے احادیث میں آتے ہیں، جیسے ہیں بعینہٖ اسی طرح انہیں نقل کرنا چاہیے، کچھ کمی بیشی نہیں کرنا چاہیے، تاکہ یہ تفسیر یقینی رہے، کیوں کہ متقدمین کی بہت ساری تفسیر احتمالی بھی منقول ہیں تو جب آدمی منقول قصوں میں کمی بیشی نہیں کرے گا، تو یقینی تفسیر احتمالی تفسیر کے ساتھ گڈمڈ نہیں ہوگی، احتمالی تفسیر کی یہ شکل تھی کہ بعض متقدمین مفسرین نے قرآنی تعریضات واشارات کو کھوجنا اپنا موضوع بنا لیا تھا، اب اس کی وضاحت کے وقت احتمالی مصداق مناسب انداز میں طے کرتے، پھر اس کی تفسیر کرتے، یہ معاملہ متاخرین پر مشتبہ رہا کہ آیا یہاں پر احتمالی مصداق مانا گیا ہے، یا یقینی تفسیر ہے، جس کی وجہ سے متاخرین نے احتمالی اور یقینی دونوں تفسیروں کو گڈمڈ کر دیا ہے، لہٰذا حدیث کے قصوں کو من وعن نقل کرنے سے یہ التباس نہ ہوگا۔

(۱) بنی اسرائیل کی دسیسہ کاری کی وجہ سے اسرائیلیات کا بڑا حصہ ہمارے تفسیری خزانوں میں در آیا ہے اسی لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسرائیلیات سے متعلق ہم کو یہ ضابطہ دے دیا ہے کہ " **لا تصدقوا اهل لكتاب ولا تكذبوا هم** " (رواہ البخاری) اس حدیث کی بنیاد پر ہم کو دو تفسیری اصول ملے:

(۱) قرآنی تعریضات کی تفسیر کے لیے جب تک حدیث رسول موجود ہو، اسرائیلیات سے نقل کر کے تفسیر کرنا جائز نہیں۔(۱)

(۲) دوسرا یہ ہے کہ تعریضات قرآنی کی تفسیر کے لیے بقدر ضرورت کلام کریں گے کیوں کہ جتنا زیادہ بولیں گے، خطا کا اتنا ہی زیادہ احتمال ہوگا؛ نیز فقہ کا قاعدہ شیخ زرقاء نے ذکر کیا ہے کہ "الضروری یتقدر بقدر الضرورۃ"۔

تفسیر القرآن بالقرآن:

قرآن کریم میں کبھی ایک قصہ، ایک جگہ اجمالی ذکر کرتے ہیں اور وہی قصہ دوسری جگہ تفصیلی ذکر کرتے ہیں، تو یہ اصول جاننا چاہیے کہ یہ تفصیلی قصہ پہلے ہی اجمالی قصے کی قرآنی تفسیر ہوگی، جیسے آدم علیہ السلام کے قصے میں اللہ تعالیٰ نے سورۂ بقرہ: ۳۰ ر میں کہا۔ کہ ''میں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے'' دوسری جگہ سورۃ بقرہ ہی میں ۳۳/نمبر کی آیت میں فرماتے ہیں: کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ میں آسمان وزمین کے تمام غیب جانتا ہوں اور جو تم ظاہر کرتے اور چھپاتے ہو سب کو جانتا ہوں''۔ اسی طرح سورۃ مریم میں حضرت عیسیٰؑ کا قصہ اجمالاً ہے اور سورۂ آل عمران میں تفصیلاً۔

---

(۱) ''جیسا کہ اس آیت میں ہے کہ وَلَقَدْ فَتَنَّا سُلَيْمَانَ وَأَلْقَيْنَا عَلَىٰ كُرْسِيِّهِ جَسَدًا ثُمَّ أَنَابَ (ص ۳۴) اس کی تفسیر حدیث میں ہے کہ سلیمان علیہ السلام سے انشاء اللہ کہنا چھوٹ گیا تھا تو اللہ نے آزمایا یہ تفسیر حدیث کی ہے اور صحیح ہے اس کو چھوڑ کر اسرائیلیات کی طرف جانا جائز نہیں ہے جیسا کہ بعض تفسیروں میں صخر شیطان کا قصہ ذکر کیا جاتا ہے۔ یہ اسرائیلیات سے ہے۔

شرح غریب القرآن میں سلف کا اختلاف اور مفسر کی ذمے داری:

غریب القرآن کی شرح کے لیے لغات، سیاق وسباق اور مناسبت الفاظ کی ضرورت پڑتی ہے الفاظ کی مناسبت مختلف لوگوں کے نزدیک مختلف ہوسکتی ہے اور الفاظ کے معانی بھی مختلف ہوتے ہیں تو کون سا معنی مراد ہو اس کے فہم کی ضرورت ہوتی ہے، اسی بنیاد پر صحابہ وتابعین کے اقوال شرح غریب میں مختلف ہوئے یہاں مفسر کے لیے ۲ر اصول ہیں: (۱) عرب کے استعمالات پر نظر۔ (۲) سیاق وسباقِ آیت کی صحیح فہم۔ پہلے اصول سے ایک معنی قوی اور راجح ہوگا اور دوسرے اصول سے آثار واحادیث کی تلاش کے بعد ایک معنی کی صحیح فہم حاصل ہوگی۔

نسخ کے متعلق ایک اہم بات:

ناسخ ومنسوخ کی بحث میں یہ بات ملحوظ رہے کہ آیات کی تاریخ معلوم ہو تاکہ تقدیم وتاخیر سے نسخ متعین ہوسکے، یہاں یہ بات ذہن میں رہے کہ مفسرین سلفِ صالحین کے اجماع اور جمہور علماء کے اتفاق کو نسخ کی علامت مانتے ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ آیت کے معنی بیان کرنے میں جمہور فقہاء کا جس پر اتفاق اجماع ہو وہاں کوئی حدیث ہوگی جس کی بنیاد پر آیت سے نکلنے والا معنی، اجماع کے برعکس ہے اس لیے اجماعی معنی لیں گے اس کے برعکس کو ترک کردیں گے۔

دوسری فصل:

استنباط احکام، فن توجیہ اور فنِ اعتبار کے بیان میں

مناہج تفسیر کی ایک بحث "استنباط احکام" ہے، یہ میدان بہت وسیع ہے، آیات کے مفاہیم اشارے اور تقاضے جاننے کے لیے عقل سلیم کی ضرورت ہے، پھر عقلیں بھی مختلف ہیں۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے استنباطِ احکام کی حجۃ اللہ البالغہ میں دس اقسام بیان کی ہیں اور تمام احکام کے استخراج کا انہیں محور بنایا ہے۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: حجۃ اللہ البالغۃ: ۱/۳۰۳۔

فن توجیہ:

فنونِ تفسیر اور مناہجِ تفسیر میں ایک "فن توجیہ" ہے، اس کی بہت شاخیں ہیں شراح متنِ کتاب کی شرح میں، اس فن کو خوب استعمال کرتے ہیں، جس کی وجہ سے ان کی ذہانت اور ذکاوت کے درجات معلوم ہوتے ہیں۔ صحابہ کے زمانے میں فن توجیہ اگرچہ واضح شکل میں نہ تھا، لیکن صحابہؓ نے آیات کی تفہیم میں اس فن کو خوب استعمال کیا۔

اصطلاحی تعریف: کسی کتاب کی مشکل عبارت پر شارح رک کر مشکل عبارت کو حل کر دے تو اصطلاح میں اس کو توجیہ کہتے ہیں۔

توجیہ کے درجات:

چوں کہ مشکل کو حل کرنے والوں کی فہم، کم اور زیادہ، پیدائشی طور پر ہوتی ہے، اس لیے توجیہ کے درجات مختلف اور کثیر ہوں گے۔ ایک عبارت کو ابتدائی طالب علم کچھ سمجھے گا،

اس سے آگے کے درجات کا طالب علم اسی عبارت کو دوسرے انداز سے سمجھے گا، پھر اسی درجے میں مختلف اذہان وعقول کے طلبہ مختلف انداز سے عبارت کو حل کریں گے۔

قابلِ اعتماد توجیہ:

قرآن کریم میں ۵/اقسام کی آیات ہیں، ہر قسم میں قابلِ اعتماد توجیہ حسبِ ذیل ہے:

(۱) آیات الجدل: فرق باطلہ کے مذاہب بیان کیے جائیں اور وجوہِ الزام کی وضاحت کی جائے۔

(۲) آیات الاحکام: ان آیات میں قابلِ اعتماد توجیہ یہ ہے کہ صورت مسئلہ اور فوائد قیود یہ بیان کیے جائیں۔

(۳) آیات التذکیر بآلاء اللہ: اللہ کی عطا کردہ نعمتوں کی منظر کشی اور جزئی مقاماتِ نعمت کو بیان کیا جائے۔

(۴) آیات التذکیر بایام اللہ: ایک قصہ دوسرے قصے پر منحصر ہے، تو اس کو بیان کیا جائے اور قصہ بیان کرنے میں تعریض واشارے کی وضاحت کی جائے۔

(۵) آیات التذکیر بالموت ومابعدہ: موت کے امور کا منظر کھینچا جائے اور قبر وحشر کے حالات کو تاکیداً بیان کیا جائے۔

توجیہ کی اقسام:

توجیہ کی شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے ۶/اقسام "الفوز الکبیر" ص ۱۱۴ پر بیان کی ہیں۔ وہ یہ ہیں:

۱: عدمِ مناسبت سے جو چیز فہم سے دور ہو، اس کو قریب کرنا۔

۲: معقول ومنقول دو متعارض دلیلوں اور دو تعریضوں کے درمیان تضاد کو دور کرنا۔

۳: دو التباس واشتباہ پیدا کرنے والی چیزوں میں امتیاز پیدا کرنا۔

۴: دو مختلف معنوں میں تطبیق پیدا کرنا۔

۵: آیت میں مذکور وعدہ کی سچائی واضح کرنا۔

۶: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جس چیز کا حکم دیا گیا، اس پر آپ کے عمل کرنے کی کیفیت بیان کرنا' یہ تمام چیزیں ''توجیہ'' کہلاتی ہیں۔

شاہ صاحبؒ کا مذہب:

متشابہات کی توجیہ اور صفاتِ باری کی تحقیق میں شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کہتے ہیں کہ اس میں میرا طریقہ یہ ہے کہ میں اس اصول کا پابند ہوں کہ ''**امرارُ المتشابھات علی ظواھرھا وترک الخوض فی تاویلھا**''۔ (الفوز الکبیر، ص ۱۱۴)

مطلب یہ ہے کہ متشابہات کو ان کے ظاہری معنی پر رکھیں اور ان کی توجیہ وتاویل میں زیادہ گہرائی میں نہ جائیں، یہی مسلک امام مالکؒ، سفیان ثوریؒ، عبداللہ ابن مبارکؒ اور دیگر متقدمین مفسرین کا بھی ہے۔اسی طرح لغاتِ قرآن میں متقدمین عرب کے استعمالات لیے جائیں اور صحابہ وتابعین کے اقوال واثار پر کلی اعتماد کیا جائے، قرآن کریم میں نحوی بحث کے حوالے سے اصول یہ ہے کہ الاوفق بالسیاق والسباق' کا قاعدہ مدنظر رہے، یعنی جس نحوی امام کا مسلک قرآن کریم کے سیاق وسباق کے زیادہ موافق ہو اس کو ترجیح دی جائے، صرف امام سیبویہؒ کی طرف میلان نہ ہو، نہ ہی صرف امام فراءؒ (۱) کی طرف۔

---

(۱) امام فراء کا نام ہے یحییٰ بن زیاد، کنیت ابوزکریا، کوفہ کے باشندے، وفات ۲۰۷ھ)

حضرت عثمان غنیؓ کا قول:

قرآن کریم کی نحوی بحث کے تعلق سے حضرت عثمان غنیؓ نے وَالْمُقِیْمِیْنَ الصَّلٰوۃَ وَالْمُؤْتُوْنَ الزَّکٰوۃَ والی آیت میں و المقیمین کے بارے میں فرمایا ہے جو تمام مرفوع اسماء کے درمیان میں حالتِ نصبی میں آرہا ہے کہ "سَتُقِیْمُهَا الْعَرَبُ بِاَلْسِنَتِهَا" عرب اس کو اپنی زبان سے درست کرلیں گے۔اس قول کا مطلب یہ ہے کہ اگر قرآن میں نحوی قاعدے کے خلاف کوئی چیز ہے تو اس کو عرب کے محاورات واستعمالات پر محمول کریں گے۔ اور عرب کے محاورات واستعمالات کبھی کبھی خلافِ قاعدہ ہوتے تھے، اور وہ اس لیے کہ جانتے ہوئے بھی عرب کی زبانوں پر گفتگو میں حالت رفعی کی جگہ حالت نصبی نکل جاتی ہے، مذکر کے جگہ مؤنث ادا ہو جاتی، واحد کی جگہ تثنیہ زبان پر آجاتی، جسے وہ لوگ احساس کے وقت صحیح کرلیتے، انہیں محاورات کے مطابق قرآن کی یہ آیت بھی اتری جو درحقیقت حالت رفعی میں ہے، حضرت عثمان غنیؓ کے قول کا یہی مطلب ہے۔

فن اعتبار:

اس کی لغوی تعریف یہ ہے کہ ایک شیٔ سے دوسری شیٔ کی طرف ذہن منتقل ہو۔ اور اصطلاح میں فن اعتبار اس کو کہتے ہیں کہ قرآن کریم کے سننے کے وقت سالک کے قلب میں کچھ چیزیں پیدا ہوں اور یہ چیزیں اس کے دل میں نظمِ قرآنی اور اس کی موجودہ حالت کے درمیان پیدا ہو، تو اسی پیدا ہونے والی اشیا کو اعتبارات واشارات کہتے ہیں۔

مثال: کوئی آدمی لیلیٰ مجنون کا قصہ سنے، یہ سن کر اس کو اپنی معشوقہ یاد آجائے اور وہ اپنی معشوقہ کی یادوں میں کھو جائے، تو یہی یادوں میں کھو جانا "اعتبار" کہلاتا ہے۔

فـــائـدہ: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ’’فن اعتبار‘‘ کو معتبر مانا ہے، اسی لیے علمائے امت اس سنت ومسلک پر چلے ہیں۔ چناں چہ سورۂ لیل کی آیات فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰی وَاتَّقٰی سے تقدیر کے مسئلے میں دلیل دی ہے، حالاں کہ اس آیت کا مدلول ومنطوق یہ ہے کہ جو ان اعمال صالحہ پر عمل کرے گا، ہم اسے جنت ونعمت دیں گے اور جو ان اعمال کے خلاف کرے گا اسے دوزخ میں ڈالیں گے۔ اب غور کریں تو اس بات کا تقدیر سے کوئی تعلق نہیں معلوم ہوتا۔

لیکن ’’فن اعتبار‘‘ کی مدد سے اس کا تعلق تقدیر سے ہے اور وہ اس طرح سے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر ایک کو ایک خاص حالت کے لیے پیدا کیا ہے، اور وہ حالت اس پر اللہ تعالیٰ جاری کرتے ہیں، بندے کو اس کا پتہ چلے یا نہ چلے۔ اس طرح اس آیت کا ربط فن اعتبار کی مدد سے تقدیر سے ہوگیا۔

تیسری فصل:

غرائب القرآن کے بیان میں

غرائب القرآن سے مراد یہاں قرآن کریم کی وہ آیات ہیں جن کو حدیث شریف میں مزید اہتمامِ شان اور فضیلت واہمیت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔وہ حسب ذیل ہیں:

(۱) شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے ''علم التذکیر بآلاء اللہ'' کو ''فن'' سے تعبیر کیا ہے۔ فن تذکیر بآلاء اللہ سے متعلق آیتوں میں غرائب القرآن وہ آیات کہلاتی ہیں جو حق تعالیٰ کی عظیم صفات کو جامع ہوں۔ مثلاً: آیت الکرسی، سورۂ اخلاص، سورۂ حشر کی آخری آیات اور سورۂ مؤمن کی ابتدائی آیات۔

(۲) فن تذکیر بایام اللہ سے متعلق آیتوں میں غرائب القرآن ان آیات کو کہا جاتا ہے جن میں کوئی انوکھا قصہ، کوئی معلومات افزا واقعہ، یا کوئی عظیم الفائدہ کہانی مذکور ہو، اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہماری خواہش تھی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کچھ اور صبر کرتے، تاکہ اللہ تعالیٰ موسیٰ علیہ السلام اور خضر علیہ السلام کے واقعات میں سے کچھ اور باتیں ہمیں بتلاتے۔(۱)

(۳) فن تذکیر بالموت ومابعدہ سے متعلق آیتوں میں غرائب القرآن ان آیات کو کہا

---

(۱) ''وددنا ان موسى كان صبر حتى يقص الله علينا من خبرهما'' (صحیح بخاری: ص/ ۶۸۷ کتاب التفسیر)

جاتا ہے، جو قیامت کے احوال وکوائف کو جامع ہوں۔ اسی لیے حدیث شریف (۱) میں آیا ہے کہ: جس کو خوش کرے یہ بات کہ قیامت کو کھلی آنکھوں دیکھے، تو اسے پڑھنا چاہیے "اِذَا الشَّمۡسُ کُوِّرَتۡ" "اِذَا السَّمَآءُ انۡفَطَرَتۡ، اِذَاالسَّمَآءُ انۡشَقَّتۡ"۔

(۴) فن احکام سے متعلق آیتوں میں غرائب القرآن ان آیات کو کہا جاتا ہے جو حدود وقصاص اور خاص حالات کی تعیین وتحدید کے بیان پر مشتمل ہوں۔ مثلاً: حد زنا میں سو کوڑے، تین حیض یا تین طہر مدتِ حیض، یا میراث میں ورثہ کے حصے، نصف، ربع، ثمن، ثلثان، ثلث سدس وغیرہ۔

(۵) فن جدل سے متعلق آیتوں میں غرائب القرآن ان آیتوں کو کہا جاتا ہے جن میں فریق مخالف کا جواب ایسے اچھوتے انداز میں دیا جاتا ہے جس سے فریق مخالف کا شبہ بالکل ختم ہو جائے، یا کفار ومشرکین، منافقین، یہود ونصاریٰ چاروں فریق کی حالت کسی واضح مثال سے سمجھائی جاتی ہے، یا بت پرستی کی قباحت بیان کی جاتی ہے، یا خالق ومخلوق، مالک ومملوک وغیرہ کے مراتب کو انوکھی مثالوں سے سمجھایا جاتا ہے۔

(۶) مذکورہ بالا پانچ اقسام ہی میں غرائب القرآن کا انحصار نہیں ہے، بل کہ غرائب القرآن کی آیات کبھی بلاغتِ قرآن کی شکل میں ہوتی ہیں، کبھی اسلوبِ آیات نرالا ہوتا ہے، مثلاً: سورۂ رحمٰن؛ اسی لیے حدیث میں اس کو "عروس القرآن" کہا گیا ہے۔

قرآن کا ظاہر وباطن:

امام طبرانیؒ نے کبیر میں اور امام بغویؒ نے شرح السنہ میں ایک حدیث نقل کی ہے

---

(۱) "من سرّہ ان ینظر إلی یوم القیامۃ کانہ رأی عین فلیقرأ "اِذَا الشَّمۡسُ کُوِّرَتۡ"، وَ اِذَا السَّمَآءُ انۡفَطَرَتۡ"، "وَ اِذَا السَّمَآءُ انۡشَقَّتۡ". (سنن الترمذی:۲/ ۱۶۸)

''ہر آیت کا ایک ظاہر ہوتا ہے، ایک باطن، اور ہر حرف کے لیے ایک حد ہے اور ہر حد کا ایک مُطّلَع ہے۔ اس حدیث کی روشنی میں جاننا چاہیے کہ علوم خمسہ سے متعلق تمام آیات کا ظاہر، مدلولِ کلام اور منطوقِ کلام ہے، اور علومِ خمسہ میں سے ہر ایک سے متعلق آیات کا باطن الگ الگ ہے۔

چناں چہ ''تذکیر بآلاء اللہ'' والی آیات کا باطن یہ ہے کہ اللہ کی نعمتوں میں بندہ غور کرے اور حق سبحانہٗ وتعالیٰ کا مراقبہ رکھے۔

''تذکیر بایام اللہ'' والی آیات کا باطن یہ ہے کہ قرآنی قصوں سے ثواب وعذاب اور مدح وذم کی وجہ تلاش کر کے اس سے نصیحت پکڑے۔

''تذکیر بالموت ومابعدہ'' والی آیات کا باطن یہ ہے کہ موت، قبر، جنت ودوزخ، میزانِ عمل اور حشر وحساب کے ذکر سے خوف ورجا کی کیفیت پیدا ہو اور ایسی کیفیت کہ ان چیزوں کو گویا اپنی نظروں کے سامنے دیکھتا ہو۔

''احکام'' والی آیات کا باطن یہ ہے کہ احکام خفیہ کا فحویٰ آیت اور ایمائے کلامِ الٰہی سے استنباط کرے۔

''فرق باطلہ سے جدل'' والی آیات کا باطن یہ ہے کہ ان فرقوں کے اصل عیوب جانے، اور جو اُن عیوب کا شکار ہو، اُن کو بھی انہیں کے ساتھ شامل کرے۔

مُطّلَع الظاہر کا مطلب یہ ہے کہ علم تفسیر سے متعلق قدیم عرب کی لغات اور آثار و احادیث کا علم رکھے۔

مُطّلَع الباطن کا مطلب یہ ہے کہ فہم میں استقامت ہو، باطن میں نورِ ایمانی اور سکینۂ قلبی موجزن ہو۔

چوتھی فصل:

بعض علوم وہبی کے بیان میں

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ تعالیٰ نے علم تفسیر میں بڑا ملکہ عطا فرمایا تھا، اس سلسلے میں آپ تفسیری وہبی علوم جانتے تھے، جو نصوص شریعت کے بالکل موافق تھے۔ علوم وہبی کا کچھ حصہ حسب ذیل ہے:

(۱) انبیائے کرامؑ کے قصوں کی تاویل، شاہ ولی اللہ صاحبؒ کا اس موضوع پر ایک رسالہ موجود ہے، جس کا نام ہے "تاویل الاحادیث" تاویل سے مراد یہ ہے کہ ہر واقع ہونے والے قصے کا ایک مبدأ ہے رسول اور اس کی قوم کی استعداد سے، جو اللہ کی اس تدبیر کے موافق ہے جس کا اللہ نے اس وقت میں ارادہ فرمایا، گویا کہ اللہ نے اپنے اس فرمان میں اسی طرف اشارہ فرمایا ہے، ارشاد ہے: "وَ يُعَلِّمُكَ مِنْ تَأْوِيْلِ الْأَحَادِيْثِ"۔

(۲) علوم خمسہ کی توضیح واصلاح، جو کہ قرآنِ کریم کا منطوق ہے، اس کی تفصیل آچکی ہے۔

(۳) علوم وہبی میں سے تیسری چیز قرآن کا فارسی ترجمہ ہے، جو کلمات کی مقدار، تخصیص وتعمیم وغیرہ میں عربی نص کے قریب قریب ہے، اس ترجمے کا نام ہے "فتح الرحمٰن فی ترجمۃ القرآن" شاہ صاحبؒ کہتے کہ بعض مقامات پر مذکورہ شرط کو میں نے اس لیے ملحوظ نہیں رکھا کہ قاری بلا تفصیل شاید نہ سمجھے۔

(۴) علومِ وہبیہ میں سے خواص قرآن کا علم ہے، متقدمین کی ایک جماعت نے اس موضوع پر کلام کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے خواصِ قرآن سے متعلق منقول علوم سے آگے ایک

باب مجھ پر وا کیا کھولا تا اور تمام اسمائے حسنیٰ، آیات عظمیٰ اور ادعیہ ماثورہ کو یکبارگی میری گود میں رکھ کر یہ ارشاد فرمایا "هٰذَا عَطَاؤُنَا لِلاِسْتِعْمَالِ" لیکن ہر آیت، ہر اسم مبارک، اور ہر دعا چند شرائط کے ساتھ ہے جس کا کوئی متعین قاعدہ نہیں ہے، اس کا قاعدہ بس عالم غیب کا انتظار ہے، جیسا کہ حالتِ استخارہ میں ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ دیکھے کہ عالم غیب سے کس آیت یا کس نام کا اشارہ ملتا ہے، تو اسی آیت یا نام کو اسی طریقے پر پڑھے جو اہلِ فن کے نزدیک مقرر ہیں۔ (الفوز الکبیر، ص ۱۲۰)

الفوز الکبیر کی تمام ابحاث کو اس رسالے میں اختصار کے ساتھ سمیٹنے کی کوشش کی گئی ہے، پانچواں باب غرائب القرآن کا داخل درس نہیں ہے، ایک فصل میں اس کا قدرے ذکر آیا ہے، اللہ تعالیٰ اس رسالے کو قبول فرمائے۔ آمین!

فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ اَوَّلاً وَ آخِرًا، ظَاهِرًا وَ بَاطِنًا

۱۶ رجب المرجب ۱۴۳۲ھ مطابق ۱۹ رجون ۲۰۱۱ء

اتوار بعد نماز ظہر

۱ رسال: ۱۰ رماہ ۲۷ ردن

خاتمہ

قدیم مفسرین کا بیان

خاتمہ میں قدیم مفسرین کے کچھ اسمائے گرامی، بعض مفسرین کی قدرے تفصیل اور کچھ تفاسیر قرآن کا ذکر آئے گا، اس میں تین فصلیں ہیں:

پہلی فصل: قدیم مفسرین کے اسمائے گرامی کے بیان میں

دوسری فصل: بعض مفسرین کی قدرے تفصیل

تیسری فصل: چند تفاسیرِ قرآن

پہلی فصل:

قدیم مفسرین کے اسمائے گرامی کے بیان میں

قرونِ اولی کے بعض قدیم مفسرین کے اسمائے گرامی کچھ اس طرح ہیں:

(۱) رئیس المفسرین حضرت عبداللہ بن عباسؓ

(۲) حضرت علی بن ابی طالبؓ

(۳) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ

(۴) حضرت ابی بن کعبؓ

(۵) حضرت مجاہدؒ

(۶) حضرت سعید بن جبیرؒ

(۷) حضرت عکرمہؒ

(۸) حضرت طاوس بن کیسانؒ

(۹) حضرت عطاء بن ابی رباحؒ

(۱۰) حضرت سعید بن المسیب بن حزن قرشی

5

(۱۱) حضرت محمد بن سیرینؒ
(۱۲) حضرت زید بن اسلم عمریؒ
(۱۳) حضرت ابوالعالیہ رفیع بن مہران الریاحیؒ
(۱۴) حضرت عروہ بن زبیرؒ
(۱۵) حضرت حسن بن ابی الحسن یسار بصریؒ
(۱۶) حضرت قتادہ بن دعامہؒ
(۱۷) حضرت محمد بن کعب بن سلیم بن اسد القرظیؒ
(۱۸) حضرت اسود بن یزید بن قیس النخعیؒ
(۱۹) حضرت علقمہ بن عبداللہ النخعیؒ
(۲۰) حضرت مُرّہ بن شراحیل الہمدانی الکوفیؒ
(۲۱) حضرت نافع بن ہُرمزؒ
(۲۲) حضرت عامر بن شراحیل الشعبی الحمیریؒ
(۲۳) حضرت عبداللہ بن عبیداللہ بن ابی ملیکہ مکیؒ
(۲۴) حضرت عبدالملک بن عبدالعزیز بن جریج القرشی المکیؒ
(۲۵) حضرت ابوالقاسم الضحاک بن المزاحم الہلالیؒ
(۲۶) اسماعیل بن عبدالرحمٰن السدّی الکوفیؒ (سدی کبیرؒ)
(۲۷) محمد بن مروان السدیؒ (السدی صغیر)
(۲۸) حضرت مقاتل بن سلیمانؒ
(۲۹) حضرت ربیع بن انس البکری الحنفیؒ
(۳۰) حضرت عطیہ بن سعد جنادہ العوفیؒ
(۳۱) حضرت عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم العدوی الدنیؒ
(۳۲) حضرت محمد بن سائب الکلبیؒ

دوسری فصل:

بعض مفسرین کی قدرے تفصیل

حضرت عبداللہ بن عباسؓ:

متعدد روایات میں وارد ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے سر پر ہاتھ رکھ کر یہ دعا دی تھی: "اَللّٰهُمَّ فَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ وَ عَلِّمْهُ التَّاْوِيْلَ" ایک مرتبہ یہ دعا دی: اَللّٰهُمَّ بَارِكْ فِيْهِ وَانْشُرْ مِنْهُ. (الاصابہ:۲/۳۲۲)

اے اللہ! ان کو برکت دے اور ان کے ذریعہ علم دین کو عام فرما۔

اسی طرح الاتقان:۲/۱۸۷ میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا: "نِعْمَ تَرْجُمَانُ الْقُرْآنِ اَنْتَ" تم قرآن کے اچھے ترجمان ہو۔

اسی لیے صحابۂ کرامؓ ابن عباس رضی اللہ عنہ کو "ترجمان القرآن" اور "الحبر" کے لقب سے یاد کرتے۔ تفسیر قرآن کے معاملے میں سب سے زیادہ روایات آپؓ ہی سے مروی ہیں۔ ابن عباسؓ کی روایات میں سب سے قوی وہ روایات ہیں جو ابوصالح عن معاویہ بن صالح عن علی بن ابی طلحہ عن ابن عباس کے طریق مروی ہیں۔ ابن عباسؓ کی روایات کے لیے یہ سندیں ضعیف ہیں:

(الف) محمد بن سائب الکلبی عن ابی صالح عن ابن عباس۔

(ب) ضحاک بن مزاحم عن ابن عباس۔

(ج) عطیہ العوفی عن ابن عباس۔

(د) مقاتل بن سلیمان عن ابن عباس۔

''تنویر المقیاس فی تفسیر ابن عباس'' کی نسبت آپؓ کی طرف درست نہیں، اس لیے کہ یہ ''محمد بن مروان السُدّی عن محمد بن سائب الکلبی عن ابی صالح عن ابن عباس'' والی سند سے منقول ہے جو محدثین کے نزدیک ''سلسلۃ الکذب'' ہے۔

حضرت علیؓ:

تفسیر میں حضرت علیؓ کا مقام بہت بلند ہے، جس کا اندازہ ابوالطفیل کے اس قول سے ہوتا ہے جو الاتقان: ۲/ ۱۸۷ میں ہے۔ ابوالطفیل کہتے ہیں کہ ''میں نے حضرت علیؓ کو خطبہ دیتے ہوئے سنا، آپؓ فرمارہے تھے کہ......... مجھ سے کتاب اللہ کے بارے میں سوالات کیا کرو، کیوں کہ خدا کی قسم قرآن کی کوئی آیت ایسی نہیں جس کے بارے میں مجھے معلوم نہ ہو کہ یہ رات کو نازل ہوئی یا دن کو، میدان میں اتری یا پہاڑ پر۔ اخیر عمر میں آپؓ کوفہ چلے آئے تھے۔ اس لیے بیشتر روایات اہلِ کوفہ سے مروی ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ تفسیری روایات حضرت علیؓ سے بھی زیادہ ہیں، ابن جریرؒ وغیرہ نے آپؓ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ : "وَالَّذِیْ لَآ اِلٰہَ غَیْرُہٗ مَا نَزَلَتْ آیَۃٌ مِنْ کِتَابِ اللّٰہِ اِلَّا وَ اَنَا اَعْلَمُ فِیْمَنْ نَزَلَتْ، وَ اَیْنَ نَزَلَتْ، وَ لَوْ اَعْلَمُ مَکَانَ اَحَدٍ اَعْلَمَ بِکِتَابِ اللّٰہِ مِنِّیْ تَنَالُہُ الْمَطَایَا لَاَتَیْتُہٗ"۔ (اتقان: ۲/ ۱۸۷)

اس ذات کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں کہ کتاب اللہ کی جو بھی آیت نازل ہوئی ہے اس کے بارے میں مجھے معلوم ہے کہ وہ کس شخص کے بارے میں نازل ہوئی اور کہاں نازل ہوئی؛ اور اگر مجھے کسی ایسے شخص کا پتہ معلوم ہو جائے جو کتاب اللہ کو مجھ سے زیادہ جانتا ہو، تو میں اس کے پاس ضرور جاؤں گا۔ بشرطے کہ اس کی جگہ تک اونٹنیاں

جا سکتی ہوں۔ حضرت مسروقؒ کا قول ہے کہ صحابہ کے علوم چھ آدمیوں میں جمع تھے۔ حضرت عمرؓ، علیؓ، زید بن ثابتؓ، ابودرداءؓ، ابی بن کعبؓ اور عبداللہ بن مسعودؓ، پھر ان چھ کے علوم دو حضرات میں منحصر تھے، حضرت علیؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ۔

حضرت ابی بن کعبؓ:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "اِقْـرَؤُهُـمْ اُبَيُّ بْنُ كَعَبٍ" صحابہ میں سب سے بڑے قاری اُبی بن کعب ہیں؛ آپ قرأت اور تفسیر کے علم میں ماہر تھے، امام المفسرین عبداللہ ابن عباس تفسیر میں آپ کے شاگرد ہیں۔ معمرؒ کہتے ہیں: "عَامَّةُ عِلْمِ ابن عباس من ثلثة: عُمر و عَلي وَ أُبي بنِ كَعب؟" حضرت ابن عباسؓ کے بیشتر علوم علوم تین حضرات سے ماخوذ ہیں۔ عمرؓ، علیؓ و اُبی بن کعبؓ۔ بعض روایات میں ہے کہ حضرت ابی بن کعبؓ ہی کی تفسیر سب سے پہلے کتابی شکل میں آئی۔

حضرت مجاہدؒ:

ابوالحجاج مجاہد بن جبر المخزومی (ولادت ۲۱ھ اور وفات ۱۰۳ھ) ابن عباس رضی اللہ عنہ کے خاص شاگرد ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ۳۰ مرتبہ قرآن کا دور کیا ہے اور تین مرتبہ مکمل تفسیر پڑھی ہے۔ (تہذیب التہذیب: ۱۰/۴۳)

قتادہ کا قول ہے: "اَعْلَمُ مَنْ بَقِيَ بِالتَّفْسِيرِ مُجَاهِدٌ" جتنے لوگ باقی رہ گئے ان میں سب سے زیادہ تفسیر جاننے والے مجاہدؒ ہیں۔ خصیفؒ کا قول ہے: "اَعْـلَـمُهُـمْ بِـالتَّفْسِيرِ مُجَاهِدٌ"۔ (تذکرۃ الحفاظ: ۱/۸۶) مجاہد رحمۃ اللہ علیہ تفسیر کے سب سے بڑے عالم ہیں۔ مجاہدؒ خود فرماتے ہیں: "صـحـبـت ابـن عُـمَـر أُريـد اَنْ أخـدمـهُ فكَـانَ هُوَ يـخـدمنيْ" "میں ابن عمرؓ کی صحبت میں رہا اور میں ان کی خدمت کرنا چاہتا تھا، لیکن وہ میری

خدمت کرتے تھے۔ (حلیۃ الاولیاء: ۸۶/۳) ابن عمر رضی اللہ عنہما نے مجاہدؒ کی رکاب تھام کر کہا: کاش کہ میرا بیٹا سالم اور غلام نافعؒ حافظہ میں تم جیسے ہو جائیں۔ مجاہدؒ کی وفات ۱۰۳ھ میں سجدہ کی حالت میں ہوئی۔

حضرت سعید بن جبیرؒ:

آپ بڑے مشہور تابعی ہیں، وقت کے بڑے ماہر مفسر اور عالم تھے۔ حضرت قتادہؒ نے کہا ہے کہ تابعین میں چار سب سے بڑے عالم تھے۔ عطاءؒ، سعید بن جبیرؒ، عکرمہؒ اور حسن بصریؒ، آپ کے استاذوں میں ابن عباسؓ، ابن عمرؓ، ابن زبیرؓ، عبداللہ بن مغفلؓ اور ابو مسعود البدویؓ ہیں، بڑے عابد و زاہد اور شب زندہ دار تھے۔ راتوں کو رونے میں بینائی کھو گئی۔ ۹۴ھ میں حجاج بن یوسف نے شہید کیا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے پھر حجاج ہی کو موت دے دی اور کسی کو نہ قتل کرا سکا۔ عبدالملک بن مروان کے حکم سے آپؓ نے ایک تفسیر لکھی تھی۔

حضرت عکرمہؒ:

ابن عباس کے غلام تھے۔ بربری تھے۔ حصین بن ابی الحر العنبری نے ہدیہ دیا تھا۔ ابن عباسؓ نے خوب محنت سے تعلیم دی۔ عکرمہ کے استاذ حضرت علیؓ اور حسن بن علیؓ بھی ہیں۔ ابو ہریرہؓ، ابن عمرؓ، ابو سعید خدریؓ، عقبہ بن عامرؓ، جابرؓ اور معاویہؓ بھی استاذ ہیں۔ عکرمہؒ خود کہتے ہیں کہ میں نے چالیس سال طلب علم میں صرف کئے ہیں۔ امام شعبیؒ کہتے ہیں کہ: ہمارے زمانے میں کتاب اللہ کا کوئی عالم عکرمہؒ سے بڑا باقی نہیں رہا۔ (مفتاح السعادہ: ۳۱۰/۱) البدایہ والنہایہ: ۲۴۵/۹ میں ہے کہ جب عکرمہؒ کا انتقال ہوا تو اسی دن ایک بڑے شاعر کثیرؒ کا بھی انتقال ہوا تو لوگوں کی زبانوں پر یہ جملہ تھا: **مات افقہ الناس و اشعر الناس** ۔ آج سب سے بڑے فقیہ کا بھی انتقال ہو گیا اور سب سے بڑے شاعر کا بھی۔

حضرت طاؤسؒ:

ابوعبدالرحمان طاوس بن کیسان الحمیدی الیمنی الخبدی، آپؒ کے تفسیر وغیرہ کے علوم کے استاذ حضرت ابن عباسؓ، ابن مسعودؓ، ابن عمرؓ، زید بن ثابت، زید بن ارقم وغیرہ متعدد صحابہؓ ہیں، عبادت ورلاعد میں بنت حتور تھے۔ چالیس حج کیے، زھریؒ کا قول ہے اگر تم طاؤس کو دیکھو تو کہوگے وہ جھوٹ نہیں بول سکتے۔ علامہ نووی کا قول ہے کہ آپؒ کی جلالتِ قدر وفور علم صلاح وتقوی اور قوت حافظہ پر علماء کا اتفاق ہے۔ سن ۱۰۵ھ میں منی یا مزدلفہ میں انتقال ہوا۔

حضرت سعید بن المسیب:

حضرت سعید بن المسیب بن حزن القرشی، آپ ابو ہریرہؓ کے داماد تھے، اسی لیے ابو ہریرہؓ کی بہت سی روایات آپ سے مروی ہیں، چالیس سال تک تمام نمازوں کی اذان مسجد میں رہ کر سنی، مسلسل روزے دار ہوتے چالیس حج کیے، آپؒ کی پیدائش حضرت عمرؓ کی خلافت کے تیسرے سال ہوئی اور وفات ۹۱ھ میں ۹۱ھ سے لے کر ۱۰۵ھ تک مختلف اقوال ہیں، تیل وغیرہ کی تجارت پر گزراوقات تھی، کسی رئیس کا انعام قبول نہیں کرتے، ہمیشہ ثقہ راویوں سے نقل کرتے، حنفیہ کے نزدیک ان کی مراسیل علی الاطلاق قابل قبول ہیں لیکن امام شافعی جو مراسیل کو حجت نہیں مانتے، وہ فرماتے ہیں کہ ارسال ابن المسیب عندنا حسن، ابن المسیب کی مراسیل ہمارے نزدیک حسن ہیں۔

3

حضرت عروہ بن زبیرؒ:

آپ مدینہ کے مشہور فقہائے سبعہ میں سے ہیں۔ زبیر بن عوام کے فرزند ہیں اور حضرت عائشہؓ کے بھانجے۔ حضرت عائشہ کی روایات میں سب سے زیادہ ثقہ ہیں۔ آپؒ کے علم و فضل پر اجماع ہیں، ہشام بن عروہؒ کہتے ہیں کہ والد صاحب ہمیشہ روزہ رکھتے، روزہ ہی کی حالت میں ۹۴ھ میں وفات ہوئی، ابن شوذبؒ کہتے ہیں کہ عروہؒ روزانہ چوتھائی قرآن پڑھتے۔

حضرت حسن بصریؒ:

آپ کی ولادت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت سے دو سال پہلے ہوئی، بہت سے صحابہ سے علم حاصل کیا، پورا نام ابوسعید الحسن بن ابی الحسن یسار البصری ہے۔ زید بن ثابت یا جمیل بن قطبہ کے آزاد کردہ غلام تھے، آپ کی والدہ کا نام خیرہ تھا، وہ ام المومنین ام سلمہؓ کی آزاد کردہ کنیز تھیں، آپ نے ام سلمہ کا دودھ بھی پیا ہے، بہت بہادر تھے، مجاہد تھے، جنگوں میں بھی شریک ہوئے، معاویہ کے زمانے میں گورنر خراسان ربیع بن زیاد کے کاتب رہے، ۱۱۰ھ میں وفات ہوئی، ابن المدینیؒ اور ابوزرعہ رازی چند کو چھوڑ کر آپؒ کی تمام مراسیل کو صحیح مانتے ہیں۔

حضرت قتادہؒ:

آپ پیدائشی نابینا تھے، حافظہ بہت قوی تھا، خود کہتے ہیں کہ میں نے کسی محدث سے دوبارہ حدیث سنانے کی درخواست کبھی نہیں کی۔ پورا نام ابوالخطاب قتادہ ابن دعامہ اسدوسی البصری ہے۔ امام احمد کا قول ہے کہ ''قتادہ تفسیر کے زیادہ بڑے عالم ہیں'' خود

فرماتے ہیں کہ قرآن کی کوئی آیت ایسی نہیں ہے جس کے بارے میں کوئی نہ کوئی روایت میں نے ضرور سن رکھی ہے۔ بعض مرتبہ تدلیس بھی کرتے۔ ۱۱۸ھ میں طاعون میں "واسط" مقام پر انتقال کیا۔

حضرت محمد بن سیرینؒ:

آپ کے والد کا نام سیرین تھا اور والدہ کا نام صفیہ؛ صفیہ ابوبکر صدیقؓ کی آزاد کردہ کنیز تھیں اور سیرین حضرت انسؓ کے آزاد کردہ غلام، سیرین کی اولاد میں چھ لوگ مشہور ہوئے؛ وہ محمد، سعید، انس، یحییٰ، حفصہ، کریمہ، ہیں، سبھی حدیث کے ثقہ راوی ہیں، محمد بن سیرین حد درجہ متقی تھے۔ ہشام بن حسانؒ کہتے ہیں کہ دن میں ہم محمد بن سیرین کے ہنسنے کی آوازیں سنتے (کہ شگفتہ مزاج تھے) اور رات میں ان کے رونے کی آواز۔ کسی وجہ سے حاکم وقت نے گرفتار کر دیا تھا، اسی گرفتاری کے دوران ان کے والد کے آقا مشہور صحابی حضرتِ انسؓ کا انتقال ہوا، آپؓ نے وصیت کی تھی کہ محمد بن سیرین مجھے غسل دیں گے۔ لوگ قید میں ان کے پاس آئے، غسل دینے کے لیے کہا تو جواب دیا کہ میں قید ہوں' لیکن جس کی وجہ سے قید میں تھے جب اس نے نکلنے کی اجازت دی تو باہر آئے اور انسؓ کو غسل دیا۔ آپ تفسیر، حدیث اور فقہ کے متفقہ امام ہیں، تابعی ہیں، انسؓ ابو ہریرہؓ عمران بن حصینؓ عبداللہ بن عمرؓ زید بن ثابت آپ کے استاذہ ہیں، ان سب سے سماع ثابت ہے۔ ابن تیمیہؒ کا قول ہے: "**محمد بن سیرین من اروع الناس فی منطقه، مراسیله من اصح المراسیل**"۔ (منہاج السنۃ: ۳/۸۶)

محمد بن سیرین اپنی بات میں سب سے زیادہ محتاط ہیں، آپ کی مراسیل صحیح ترین مراسیل میں سے ہیں۔ ۹ر شوال ۱۱۰ھ میں بصرہ میں وفات ہوئی۔

حضرت ضحاک رحمۃ اللہ علیہ

ضحاک بن مزاحم ہلالی خراسانی رحمۃ اللہ علیہ نام ہے صحابہ کے دور میں پیدا ہو چکے تھے، لیکن صحابہ سے روایت مشکوک ہے، اکثر علماء نے ثقہ قرار دیا ہے، سعید بن جبیر تابعی آپ کے استاذِ تفسیر ہیں، ۱۰۲ھ سے ۱۰۶ھ کے درمیان وفات ہوئی۔

آپ ماں کے پیٹ میں دو سال تک رہے، اور ہوئے تو ہنستے ہوئے پیدا ہوئے، اسی لئے آپ کا نام ضحاک رکھا گیا یعنی ہنسنے والے، ماں کے پیٹ ہی میں دانت نکل آئے تھے۔ آپ کی ملاقات حضرت ابن عباس سے نہیں ہوئی، عبد الملک بن میسرہ ہی کہتے ہیں، احمد، ابن معین اور ابو زرعہ نے آپ کو ثقہ قرار دیا ہے۔

تیسری فصل:

چند تفاسیرِ قرآن

متاخرین مفسرین کی کچھ تفسیروں کے نام یہ ہیں:

(۱)تفسیر ابن کثیر (۲)تفسیر ابی السعود (۳)تفسیر کبیر (۴)تفسیر قرطبی

(۵)روح المعانی (۶)اشرف التفاسیر (۷)بیان القرآن (۸)معارف القرآن

تفسیر ابن کثیر:

یہ تفسیر ایک شافعی عالم حافظ عماد الدین ابوالفداء اسماعیل بن الخطیب ابوحفص عمر بن کثیر کی تصنیف ہے، اس کی چار جلدیں ہیں، عربی میں ہے۔ یہ تفسیر ابن جریر کا خلاصہ ہے؛ اس میں تفسیر بالروایہ کا طریقہ اختیار کیا گیا ہے، اورجمعِ روایات کے ساتھ روایات پر جرح بھی کی ہے، کمزور روایات کی علل اسناد بتلادی ہیں، اسرائیلی روایات بہت کم نقل ہیں اور بتلاکر نقل کی ہے۔ یہ محتاط اور مستند تفسیر ہے، کہیں کہیں ضعیف روایات پر سکوت کیا ہے، ضعیف مفسرین مثلاً کلبی، مقاتل، عطیہ العوفی کے اقوال بھی بکثرت آگئے ہیں۔

تفسیر ابی السعود:

قاضی ابوالسعود محمد بن محمد العمادی الحنفیؒ (متوفی ۹۵۱ھ) کی یہ تصنیف ہے، اس کا نام ’’ارشاد العقل السلیم الی مزایا القرآن الکریم‘‘ ہے، اس میں علمی گہرائی ہے، عربی زبان میں پانچ جلدوں میں ہے، اس میں اختصار، نظم قرآن، تناسب آیات اور بلاغت پر عمدہ کلام ہے۔

تفسیر کبیر:

اس تفسیر کا نام ''مفاتیح الغیب'' ہے،تفسیر کبیر کے نام سے مشہور ہے،مصنف امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین عمر الرازیؒ (متوفی ۶۰۶ھ) ہیں،درایت میں بہت عمدہ تفسیر ہے،''فیہ کل شیءالا التفسیر'' (اس میں تفسیر کے سوا سب کچھ ہے)،اسی تفسیر کے بارے میں کہا گیا ہے،لیکن یہ بڑی زیادتی ہے،کیوں کہ اس میں یہ خصوصیات ہیں کہ: (۱) تفسیر آیت،نحوی ترکیب،شان نزول،سلف کے تمام اقوال اس تفسیر میں منضبط مل جاتے ہیں۔ (۲) عظمتِ قرآنی اور شوکت آیات کی وضاحت ہے۔ (۳) آیت سے فقہی احکام مستنبط کرتے ہیں اور تفصیلی دلائل دیتے ہیں۔ (۴) علم کلام سے باطل فرقوں کی تحریف واضح کرتے ہیں،جن سے مدلل ومفصل طور پر جہمیہ،معتزلہ،مجسمہ اور اباحیہ وغیرہ کی تردید ہوتی ہے۔ (۵) ربط آیات بہت اچھا بیان کرتے ہیں۔ (۶) آیات واحکام کے اسرار وحکم بھی لکھتے ہیں۔امام رازیؒ نے سورۂ فتح تک یہ تفسیر لکھی تھی کہ وفات ہوگئی،پھر قاضی شہاب الدین بن خلیل خولی (متوفی:۶۳۹) نے یا احمد بن محمد القمولی (متوفی:۷۷۷ھ) نے مکمل فرمایا۔ (کشف الظنون:۲/۴۷۷) اور طرزِ رازیؒ میں ذرا فرق نہیں۔ہاں اس تفسیر کی روایات رطب و یابس ہیں،اور متعدد مقامات پر جمہور کی راہ سے انحراف بھی ہے،مثلاً ابراہیم علیہ السلام کے ثلاث کذبات والی صحیح حدیث کو انہوں نے رد کر دیا ہے۔

تفسیر قرطبی:

محقق عالمِ دین،علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد بن ابوبکر بن فرح القرطبی الاندلسی المالکیؒ (متوفی:۶۷۱ھ) کی یہ تفسیر ہے،اس کا نام ''الجامع لأحکام القرآن'' ہے،اس کتاب کا اصل موضوع فقہی مسائل واحکام کا استنباط ہے،جن میں مصنف علام نے تشریح

آیات، تحقیقِ نظم قرآنی، بلاغت واعراب اور روایات کو اچھی طرح ذکر کیا ہے، بارہ جلدوں میں عربی میں، علوم قرآنی کی اصطلاحات پر مشتمل مقدمے کے ساتھ اور روزمرہ قرآنی ہدایات کی تشریح کے ساتھ طبع ہوئی ہے۔

روح المعانی:

علامہ ابوالفضل شہاب الدین سید محمود آلوسی البغدادی الحنفیؒ (متوفی: ۱۲۷۰ھ) کی یہ تفسیر ہے۔ اس کا پورا نام ''روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم والسبع المثانی'' ہے۔ عربی زبان میں ۳۰ رجلدوں پر مشتمل ہے، جسے محمد علی بیضوی نے ''دارالکتب العلمیہ بیروت لبنان'' سے ''علی عبدالباری عطیہ'' کے ضبط وتصحیح کے ساتھ ۱۶ رجلدوں میں چھاپ کر عام کر دیا ہے، سولہویں جلد مکمل فہرست ہے، جس میں تفسیری آیات، آیات شواہد، قولی وفعلی احادیث وآثار، اعلام، اماکن، قبائل، ایام وحوادث، قوافی ارجاز اور انصاف الابیات سب ہیں، ابراہیم شمس الدین اور ساء بزیع شمس الدین نے یہ فہرست تیار کی ہے۔ اس تفسیر میں فقہ، نحو، ادب، بلاغت، لغت، ہیئت، تصوف، عقائد، کلام، فلسفہ اور متعلقہ روایات پر تفصیلی بحثیں کی ہیں، روایات حدیث میں علامہ آلوسی حنفیؒ نسبتاً زیادہ محتاط ہیں، آیت سے متعلق تمام علمی گوشوں پر کلام کیا ہے، اس لیے روح المعانی کو سابقہ تمام تفاسیر کا خلاصہ کہنا چاہئے، علامہ یوسف بنوری ''یتیمۃ البیان'' میں لکھتے ہیں کہ چار تفسیریں ایسی ہیں کہ ان پر قناعت کرنا انشاء اللہ کافی ہوگا: ایک تفسیر ابن کثیر (جو تفسیر ابن جریر سے بے نیاز کر دیتی ہے) دوسرے تفسیر کبیر، تیسرے روح المعانی اور چوتھے تفسیر ابی السعود۔

بیان القرآن:

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ (ولادت: ۱۲۸۰ھ وفات: ۱۳۶۲ھ) کی یہ تفسیر اردو زبان میں ہے جس کا نام ''مکمل بیان القرآن'' ہے، ۱۳۲۶ھ میں پہلی بار چھپی، اس تفسیر کی خصوصیات یہ ہیں: (۱) قرآن مجید کا آسان ترجمہ کیا ہے جس میں قابلِ فہم ہونے کے ساتھ تحت لفظی کی بھی رعایت ہے۔ (۲) ترجمہ میں خالص محاورات استعمال نہیں کیے گئے، اس لیے کہ ہر مقام کے محاورات جدا ہوتے ہیں، اور دوسرے مقام کے لوگوں کو فہم میں دشواری ہوتی ہے۔ (۳) جس آیت کی تفسیر میں مختلف اقوال مفسرین کے تھے، جس کو ترجیح معلوم ہوئی صرف اس کو لیا ہے بقیہ سے تعرض نہیں کیا۔ (۴) اختلافیات کی تفسیر میں صرف مذہب حنفی لیا ہے۔ (۵) چوں کہ نفعِ عوام کے ساتھ افادۂ خواص کا بھی خیال کیا گیا ہے اس لیے ان کے فائدہ کے لیے ایک حاشیہ بڑھایا گیا ہے جس میں مکیت و مدینت، سور آیات وغیر مشہور لغات وضروری وجوہ بلاغت، مغلق ترکیب، خفی الاستنباط فقہیات وکلامیات وسباب نزول درروایات واختلاف، قرأت مغیرہ ترکیب یا حکم وتوجیہ ترجمہ وتفسیر ایجاز کے ساتھ مذکور ہے۔ اس حاشیہ کی زبان عربی ہے تاکہ عوام نہ دیکھیں یہ حاشیہ درس وتدریس کے وقت بہت کام آسکتا ہے۔ اس تفسیر کے لکھتے وقت یہ کتابیں موجود تھیں، بیضاوی، جلالین، تفسیر رحمانی، اتقان، معالم التنزیل، روح المعانی، مدارک، خازن، تفسیر فتح المنان، تفسیر ابن کثیر، لباب، درمنثور کشاف، قاموس، بعضے تراجم قرآن۔ (۶) جن روایات پر تفسیر کی بنیاد رکھی گئی ہے اس میں التزام کیا گیا ہے کہ وہ صحیح روایتیں ہوں۔

الحاصل! نحو، صرف، بلاغت، ربط آیات، لقوف وعلم کلام وغیرہ بے شمار علوم سے متعلق باتیں، بیان القرآن، میں ملتی ہیں، اور سچ ہے کہ یہ تفسیر دسیوں تفسیر کے مطالعے سے بے نیاز کر دیتی ہے اور تفسیری بے راہ رویوں سے حفاظت کا بہترین راستہ ہے۔ یہ تفسیر مسلک اہلِ حق کا سچا ترجمان ہے۔

اشرف التفاسیر:

اشرف التفاسیر حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی مستقل تصنیف نہیں ہے، اس کو حضرت تھانویؒ کے سیکڑوں مواعظ وملفوظات میں سے منتشر تفسیری نکات کو یکجا کر کے مرتب کر دیا گیا ہے جو نہایت علمی، کارآمد اور تفسیری جواہر پارے پر مشتمل ہے۔ تقریباً ساڑھے تین سو مواعظ سے انتخاب کا یہ عمل وجود میں آیا ہے، کیوں کہ ہوتا یہ ہے کہ کسی وعظ یا کسی مجلس میں کسی موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے قرآن کریم کی کوئی آیت قلب پر وارد ہوتی ہے اور آپ اس کی تفسیر کرتے ہوئے اس سے عجیب وغریب مسائل مستنبط فرماتے ہیں، قرآن کریم کے نظم واسلوب کی بے مثال توجیہات بیان فرماتے ہیں، فوائد وقیود کی دلنشیں تشریح فرماتے ہیں، مختلف آیات قرآنی کے درمیان الفاظ وتعبیر کا جو فرق ہے اس کی حکمتیں ظاہر فرماتے ہیں؛ یہ تمام چیزیں اس تفسیر میں آ گئی ہیں۔ اس تفسیر میں حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہٗ اور مولانا محمد اسحاق صاحب مدظلہ ناظم ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان کی کوششوں کا دخل ہے۔ انہیں دونوں حضرات نے بڑی عرق ریزی سے تفسیری مواد کو ہزاروں صفحات میں بکھرے ہوئے ملفوظات وخطبات سے جمع کیا ہے، جس علم کلام جدید سے عصر حاضر کے جدید سے جدید ترین شبہات کا جواب دیا جا سکتا ہے، وہ علم کلام جدید جگہ جگہ اس تفسیر کے علمی مباحث میں نمایاں ہے، یہ تفسیر پانچ جلدوں میں ادارہ تالیفات

2

اشرفیہ ملتان سے اردو زبان میں منظر عام پر آچکی ہے۔

اللہ تعالیٰ اس رسالے کو قبول فرمائے۔ آمین!

فَلِلّٰہِ الْحَمْدُ اَوَّلاً وَ آخِرًا ، ظَاہِرًا وَ بَاطِنًا

معارف القرآن:

مفتی محمد شفیع بن مولانا محمد یٰسین دیوبندی ثم پاکستانیؒ نے معارف القرآن نام کی ۸؍جلدوں میں اردو زبان میں مفصل تفسیر فرمائی ہے، اس تفسیر میں حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی تفسیر بیان القرآن کی تسہیل وتشریح بھی ہے اور عصرِ حاضر میں قرآن کی ہدایات کے انطباق کی توضیح بھی اور تہذیب جدید پر قرآنی تبصرہ بھی، اس میں سلف صالحین کے مسلک ومشرب کی حفاظت ہے جس میں انفرادی خصوصیات یہ ہیں: (۱) صحابہ تابعین سے منقول اور مستند کتب حدیث وتفسیر میں موجود اصول وتشریحات پر اعتماد کیا گیا ہے۔ (۲) نظم قرآنی کی ترجمے میں حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ اور حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ کے ترجموں پر اعتماد کیا گیا ہے۔ (۳) خاص لغات ومفردات کا حل معتمد علیہ کتب لغت اور تفاسیر سے اخذ کیا گیا ہے۔ (۴) مکمل تفسیر سے پہلے آیتوں کا خلاصہ دیا ہے۔ (۵) آخر میں آیتوں سے متعلق احکام ومسائل دے گئے ہیں جن کا بڑا حصہ تفسیر قرطبی، احکام القرآن للجصاص، احکام القرآن ابن عربی، تفسیرات احمدیہ، محیط ابن حبان، روح المعانی، روح البیان اور بیان القرآن حکیم الامت تھانویؒ سے لیا گیا ہے۔

افتخار احمد قاسمی بستوی

۲۳؍جمادی الاخریٰ ۱۴۳۴ھ-۴؍مئی ۲۰۱۳ء، سنیچر، بعد نماز مغرب